ادیب الاطفال، اس نام سے منشی حبیب الدین صاحب ناظر دفتر تاریخ بھوپال نے چھوٹے بچون کے لئے مرغوب طبع اور نصیحت آمیز قصون کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے، مبتدی بچون کے لئے مفید ہوگا،

گنجینۂ اسرار حقیقت، اُردو مین صوفیاے کرام کے ملفوظات اور اور اخلاقی حکایات کا ایک مختصر اور ناتمام مجموعہ ہے، حجم ۵۷ صفحہ، قیمت ۹؍ نانومل اگروال مالک قیصر ہند پریس لودیانہ سے مل سکتا ہے،

اشرف التقویم، مولوی سید مرتضی علی مرادآبادی نے اس نام سے سال نو ۱۳۳۵ھ کی جنتری شائع کی ہے، جنتریان تو بیشمار شائع ہوتی ہین، لیکن اس جنتری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلمانون کی مذہبی ضرورتون کے مطابق شائع ہوئی ہے، اسلئے ہم نے اسکو نہایت پسند کیا، رمضان اور دیگر تقریبات اسلامی کے مباحث، سال قمری کی تاریخین، سفر کے جدید پیش آنے والے مسائل کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے، مؤلف نے اسکی تالیف و تحقیق مین بعض علماے دیوبند کی اعانت بھی حاصل کی ہے، ہم سفارش کرینگے کہ ہر مسلمان گھر مین اُسکا ایک نسخہ رہنا ضرور ہے، مسلمانون کا یہ حال ہوگیا ہے کہ انگریزی تاریخین تو نوک زبان رہتی ہین، لیکن عربی تاریخ کی ضرورت پڑے تو نوکرون سے اور گھر کی عورتون سے پوچھنی پڑتی ہے، اس جنتری مین عربی تاریخون کو سرنمبر قرار دیا گیا ہے،

مذہبی باتون کے علاوہ بعض تاریخی اور صناعی معلومات بھی اس مین موجود ہین،

قیمت ۳؍ منیجر اسلامیہ بک ایجنسی مرادآباد سے طلب کرنی چاہیئے۔

❋❋❋❋❋❋❋❋❋❋

مجلد اوّل | ماہ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق مارچ ۱۹۱۷ء | عدد نہم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اس مہینہ کا معارف آج شائع کیا جاتا ہے لیکن اسکا مقصد صرف رسالے کا شائع ہی کرنا ہے اس سے زیادہ کچھ نہین، ناظرین کو رسالہ کے دیکھنے ہی کے ساتھ نظر آئے گا کہ کسی غیر معمولی اضطراب نے دماغ سے متجاوز ہو کر، قلم، دوات، کاغذ، روشنائی، غرض تمام ادوات و آلات طبع و اشاعت پر تر ڈالا ہے، غلطیان اس کثرت سے ہین کہ اگر یہ ایک جدت طرازی نہ ہوتی تو کئی صفحے کا غلطنامہ لگانا پڑتا، مضامین کی ترتیب بھی اچھی نہین، اور شذرات مین بجز معذرت کے اور کچھ نہین لیکن اس کا کیا علاج کہ تم مین اقتضائے بلاغت یہی ہے کہ حرکات مضطربانہ مین کوئی ترتیب و نظم و نسق نہ ہو، شہر مین وبائے طاعون عام طور پر پھیلی ہوئی ہے، تمام لوگ مضطرب و مختل الحواس ہین، معارف کا اڈیٹر اپنے مرکز سے دور وطن مین ہے، رفقاء و فیلوز بھی خدا جانے کہان ہین؟ صرف پریس مین اور کاتب دفتر مین ہین، اسلیے ان غریبون کا یہی احسان کیا کم ہے کہ رسالہ کو بُری بھلی طرح شائع کر دیا،

اس عام مصیبت کے علاوہ ایک خاص مصیبت کم از کم میرے لیے اس سے زیادہ دردانگیز ہے، بی بی کے متعلق مذہب اور علم کا فتوی بالکل مختلف ہے، مذہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی زبان سے فتوی دیا کہ "عورت دنیا کا بہترین سرمایہ ہے" "میری تسکین کا ذریعہ دو چیزین ہین، نماز اور عورت" لیکن ایک عالم نے جبکہ وہ مطالعہ مین مصروف تھے انکی بی بی نے کہا کہ "ایک نگاہ غلط انداز کی مستحق مین بھی ہون" بولے "دو سوتین ایک جگہ نہین جمع ہو سکتین" کتاب اور عورت دو سوکنین ہین، جو دماغ عورت کی زلف دراز سے اُلجھ جاتا ہے وہ کتاب کی سطرین نہین گنتا، کیونکہ گیسوے پُرخم مین جو سیاہی ہے وہ اس مین کہان؟ لیکن جو سیاہ بخت کتاب کی سطرون مین اُلجھ جاتے ہین اُنکے ہاتھ سے زلف کا سر رشتہ امید چھوٹ جاتا ہے اور وہ صرف نقطے گنا کرتے ہین، خط و خال پر انکی نگاہ بہت کم پڑتی ہے، مجھ بدقسمت کے ذمہ اللہ تعالی نے مذہب اور علم دونون کی خدمتین تفویض کی ہین، اسلیے بی بی کے معاملہ مین مجھے ان متضاد فنون نے عجیب کشمکش مین مبتلا کر رکھا ہے، میری اہلیہ جو ایک لڑکی، اور ایک صغیر سن بچے کی مان ہین عرصہ آٹھ سال سے امراض مختلفہ مین علیل ہین، اور اب ڈاکٹرون نے دق تجویز کیا ہے، اسلیے مین سخت پریشان ہون، اور اس پریشانی کا اثر دار المصنفین کے ہر کام پر پڑ رہا ہے، یہ رسالہ بھی اسی مصیبت کا شکار ہے، ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ مذہبی حیثیت سے دعا کرین کہ خدا میرے سرمایۂ حیات کو میرے ہی پاس رہنے دے، لیکن اگر علمی خدمتین سب کچھ لیکے اسکو بھی چھیننا چاہتی ہین تو پھر وہی ہو جو خدا کی مرضی ہے، مین ہر حال مین راضی برضائے الٰہی ہون،

انقلاب الامم جسکے متعلق آج اس رسالہ مین ایک مضمون شائع کیا جاتا ہے، چھپ گئی، حجم ۱۶۰ صفحے کا ہے، ۲۸ صفحے کا مقدمہ اس سے الگ ہے، جو زیر طبع ہے، قیمت ابھی متعین نہین ہوئی لیکن ناظرین کو درخواست بھیجدینی چاہیے کہ ان کا حق مقدم رہے، قیمت مناسب ہوگی، البتہ جنگ نے کاغذ وغیرہ کی قیمت جو گران کر دی ہے، اس تاوان مین ناظرین کو بھی شریک ہونا پڑے گا،

مقالات

ایک جدید فلسفۂ تاریخ

"زمین، سمندر، پہاڑ، اگرچہ دنیا کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئے، لیکن انسان اُن سے ایک مدت کے بعد متمتع ہوا، زمانۂ قدیم کا ایک وحشی آدمی پہاڑون کے تیرہ وتاریک غار، اور اسکے آس پاس کی زمین کے سوا دنیا کے دوسرے حصون سے ناواقف تھا، لیکن بعد کی ترقی یافتہ نسلون نے دنیا کے گوشے گوشے کا پتا لگایا، اور ان کی تقسیم وتوزیع کی، ان مین نظام وترتیب پیدا کیا، اور سطح سے گزر کر، تہ کے تمام رموز وحقائق دریافت کیے، آج زمین سے سونا، سمندر سے موتی، پہاڑ سے لعل، اسی چھان بین کی بدولت نکل رہا ہے۔"

فن تاریخ نے بھی اسی طریقہ پر اپنی ترقی کے تمام مراحل طے کیے، انسان جب تک بالکل وحشیانہ حالت مین زندگی بسر کرتا تھا، وہ اپنے تاریخی سرمایہ کو زبانی روایتون کی صورت مین محفوظ رکھتا تھا، لیکن جب آیندہ کی نسلون نے تہذیب وتمدن مین ترقی کی اور فن تحریر وکتابت کا رواج ہوا تو یہ تمام روایتین قلمبند کر لیگئین، اور تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اسمین اسقدر ترقی ہوئی کہ فن روایت ایک مستقل فن بن گیا،

علوم وفنون کی تاریخ اگرچہ اس ترقی پر ناز کر سکتی ہے، لیکن درحقیقت روایتون کا یہ ذخیرہ صرف دریا تھا موتی نہ تھا، معلومات کا یہ تودہ صرف پہاڑ تھا لعل نہ تھا، تاریخ کا یہ صفحہ صرف کان تھا سونا نہ تھا، اسلیے مغز سخن تک پہنچنے کے لیے اس سے زیادہ چھان بین، اس سے زیادہ ادھیڑبن، اس سے زیادہ کدوکاوش کی ضرورت تھی، اس سلسلہ مین سب سے مقدم کام یہ تھا کہ تاریخی واقعات مین ایک ایسا نظام، ایک ایسا ربط، ایک ایسا تسلسل پیدا کیا جائے جس سے صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ "موجودہ زمانہ گزشتہ زمانہ سے خودبخود کیونکر پیدا ہو گیا ہے؟"

واقعات کی نوعیت کے لحاظ سے ہر قسم کے واقعات کے لیے ایک ایسا عام سلسلہ علل واسباب قائم کیا جائے کہ تمام واقعات اس سلسلہ کی کڑیان بن جائین، اور مسلمانون کو فخر ہے کہ سب سے پہلے علامہ ابن خلدون

نے اُس فلسفہ کی بنیاد ڈالی لیکن درحقیقت یہ کام جسقدر اہم، مفید، اور نتیجہ خیز ہے، اس سے کہین زیادہ مشکل ہے ایک طرف تو واقعات اس کثرت سے ہین کہ آسانی کے ساتھ انکا استقصا نہین کیا جا سکتا، دوسری طرف تنوع تناقض، تباین، اور اختلاف نے انکی کڑیون کو باہم اس قدر الجھا دیا ہے کہ ان مین کوئی قدر مشترک نہین پیدا کیا جا سکتا، اس بنا پر انکو کسی اصول کلیہ کے تحت مین داخل نہین کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن خلدون نے اگرچہ تاریخی واقعات کی تنقید کے تمام اصول قائم کر دیے، لیکن خود اپنی تاریخ مین اُن سے کام نہ لے سکا لیکن واقعات مین نظم وترتیب کے پیدا کرنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جزئی واقعات کو بالکل نظرانداز کر کے خود فن تاریخ کی علت مشترکہ پیدا کی جائے اور دنیا کے تمام تاریخی واقعات کی بکھری ہوئی کڑیان اسی سلسلہ مین مربوط کر دیجائین یہ طریقہ اگرچہ نسبتہً پہلے طریقہ سے آسان ہے کیونکہ اس مین ایک طرف تو تمام جزئی واقعات کا استقصا کرنا پڑتا تھا، دوسری طرف ہر ایک واقعہ یا کم ازکم ایک نوعیت کی واقعات کے لیے الگ الگ سلسلہ علل واسباب کے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اسلیے روایت ودرایت دونون سے ساتھ ساتھ کام لینا پڑتا تھا، لیکن اس دوسری روش کے اختیار کرنے سے یہ دونون مشکلین خودبخود حل ہو جاتی ہین، ایک عام اور مشترک سلسلہ علل واسباب قائم کرنے سے ہر واقعہ کے لیے مستقل علت کی جستجو کی ضرورت نہین ہوتی، اسیطرح تمام جزئی واقعات سے بھی بے نیازی ہو جاتی ہے، کیونکہ خود تاریخ مجموعی حیثیت سے اس سلسلہ مین داخل ہو جاتی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ایسی عام اور مشترک چیز ہے جو تمام تاریخی واقعات ونتائج کا محور قرار دیجا سکتی ہے؟ اس نقطہ پر پہنچکر اس طریقہ کی تمام آسانیان مبدل بہ مشکلات ہو جاتی ہین، اور یہ سوال بالکل ایک معما بن جاتا ہے دنیا مین صرف دو چیزین ہین جو عام طور پر تمام قومون پر حکمرانی کرتی ہین، یعنی مذہب اور حکومت، اسلیے اگر دنیا کی تاریخ کا کوئی عام سبب قرار دیا جا سکتا ہے تو نگاہ انتخاب ان دونون کے سوا کسی دوسری چیز پر نہین پڑ سکتی، یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخین نے اس سوال کے جواب مین انھین دونون چیزون کا نام لیا ہے لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ خود مذہب اور حکومت کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب ہمکو مذہب اور

سلطنت کے دائرۂ حکومت مین نہین ملسکتا، اسکے لیے ہمکو اُن کے حدود سے آگے بڑھنا ہوگا،

تقلید وجمود نے اگرچہ آج تک اس سوال ہی کو پیدا نہین ہونے دیا، اسلیے تاریخ کی موجودہ کتابین اس کے جواب مین بالکل خاموش ہین، لیکن ڈاکٹر لیبان نے "سر تطور الامم" مین اسی معما کو حل کیا ہے دنیا مین اگرچہ مذہب اور سلطنت کی غلغلہ انداز حکومت قائم ہے، اور انکا اثر ہر ملک کی در و دیوار سے بداہتہً نظر آتا ہے۔ لیکن ان دونون عالمگیر سلسلہ سے الگ ایک اور خاموش نظام حکومت ہے جو خود مذہب اور حکومت پر بھی فرمانروائی کرتا ہے، اور تاریخی واقعات کی تمام کڑیان اسی سلسلہ کے ساتھ آکر مل جاتی ہین، ڈاکٹر لیبان نے اپنی فلسفیانہ اصطلاح مین اس کا نام "مزاج عقلی" رکھا ہے جو اگرچہ ایک نہایت مختصر جملہ ہے لیکن اسکا مفہوم انسان کے تمام "نفسانی خصوصیات" کو شامل ہے، اِس بنا پر لیبان کے نزدیک ہر قوم کی تاریخ کا حقیقی ماخذ اُسکے جذبات، احساسات، اور خیالات کا اختلاف ہے، اور انقلاب الامم مین اُسنے اِسی حیثیت سے اقوام عالم کی تمدنی تاریخ پر نگاہ ڈالی ہے اُسکی اس کتاب کا ترجمہ عنقریب دار المصنفین کی طرف سے شایع ہونے والا ہے، اس لیے ناظرین کو نہ صرف ایک جدید کتاب، بلکہ جدید فلسفۂ تاریخ کے خیر مقدم کے لیے تیار رہنا چاہیے،

عبد السلام، ندوی

اخلاق نبوی کا ایک عظیم الشان مظہر

یعنی

محدثین کرام کے فضائل اخلاق،

(۱)

(از مولانا عبد السلام ندوی)

عالم ز ماتہی و ز افغان ما پُر است شد عندلیب خاک و چمن از نوا پُر است

مادیت دنیا کو مختلف مناظر دکھا دکھا کر اپنا فریفتہ بناتی رہتی ہے، صبح ہونیکے ساتھ آسمان اپنے ہاتھ مین ایک جام زرنگار لیکر نمایان ہوتا ہے، اور تمام دنیا کو مخمور کر جاتا ہے، شام ہوتی ہی تو شفق کی ارغوانی شراب اس جام کو لبریز کر دیتی ہے، اور دنیا نشہ مین چور ہوکر سرمست بادۂ خواب ہو جاتی ہے، بہار آتی ہے تو زمین کی قوت نمو کبھی سبزہ زار کی صورت مین زمین پر چھا جاتی ہے، کبھی سرو صنوبر کی شکل مین کنگرۂ فلک سے ٹکر لڑنا چاہتی ہے، اور کبھی پھولون کے قالب مین تمام فضا کو محیط ہو جاتی ہے، غرض دن نہین نکلتا بلکہ مادیت نئے آن بان سے نکلتی ہے شام نہین آتی بلکہ مادیت عروس نو بنکر ہمارے سامنے آتی ہے، موسم نہین بدلتے بلکہ مادیت اپنے نئے نئے لباس بدل کر ہمارے سامنے نمایان ہوتی ہے، لیکن کیا ان مین ایک چیز بھی اپنی قوت جذب وکشش کو ہمیشہ قائم رکھ سکتی ہے؟ کیا آفتاب ہمیشہ چمکتا رہتا ہے؟ کیا شفق ہمیشہ پھولی رہتی ہے؟ کیا سبزہ ہمیشہ لہلہاتا رہتا ہے؟ کیا سرو صنوبر کی گردن ہمیشہ بلند رہتی ہے؟ کیا پھول ہمیشہ شاداب رہتے ہین؟ یقیناً نہین رہتے، اور اگر یہ ظاہر فریب نظارہ ہمیشہ کیلیے قائم نہین رہتا تو ہمکو مادیت کے دائرہ سے آگے بڑھکر اُس عالم قدس مین قدم رکھنا چاہیے، جسکی نسبت ایک

نکتہ دان فطرت نے کہا تھا،

ایک بالاتر ازین جملہ بہائے دگراست کاندران کالبد دیگر و جانے دگراست

یہی وہ عالم ہے جسکا سورج کبھی نہین ڈوبتا، اور یہی وہ باغ ہے جسکی بہار پر کبھی خزان نہین آتی، اور یہی وہ دنیا ہے، جو کبھی قالب بے رُوح نہین ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عالم مین زندگی بسر فرمائی تھی، اسلئے آپکا روحانی اثر ہمیشہ قائم رہا، اور ہمیشہ قائم رہے گا، صحابہ کرام کی زندگی اسی آفتاب عالمتاب کا پرتو تھی، اور محدثین کرام کو اسی مسیحا نفس کے کلمات طیبہ نے زندگی بخشی تھی، صحابہ کرام نے آپ کے خلق عظیم کو اپنی عملی طاقت سے جس طرح زندہ رکھا تھا، اُسکے لئے سیر الصحابہ کی اشاعت کا انتظار کرنا چاہئے، لیکن تابعین، تبع تابعین، اور محدثین کرام کی زندگی بھی نہایت وسعت کے ساتھ آپکی تعلیمات وتلقینات کے عملی آثار ونتائج کو نمایان کرسکتی ہے، اسلئے ہم نے اپنے مطالعہ کے مصروف اوقات مین ان بزرگون کے فضائل اخلاق کا بھی،

دیکھا جہان کہین کوئی ٹکڑا اُٹھا لیا،

اور آج اپنے ان لختہاے جگر کو وقف عام کرنا چاہتے ہین کہ

من قاش فروشِ دلِ صدپارۂ خویشم

تمام محققین یورپ نے تسلیم کیا ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے اپنے پیغمبر کی روایات کو اس صداقت، اس دیانت، اس محنت، اور اس جامعیت کے ساتھ محفوظ نہین رکھا، جسکی مثال مسلمانون کے علم حدیث کے ہر صفحہ سے مل سکتی ہے، لیکن کیا محدثین کرام کے فضائل اخلاق کے سوا اور کسی چیز نے مسلمانون کو اس فخر کا موقع دیا ہے؟ دنیا مین اور بھی بہت سے علوم وفنون پھیلے، لیکن کوئی بھی دنیوی مقاصد سے خالی نہ تھا، اور اسلئے اُن کے اثر سے آزاد نہ تھا، صرف ایک علم حدیث ہے، جسکا مقصد مذہب اور اخلاق کے سوا کچھ نہین ہوسکتا تھا، اور مسلمانون کو فخر ہے کہ محدثین کرام کی اخلاقی طاقت نے اس مقصد جلیل کو ہمیشہ قائم رکھا،

استغنا وقناعت محدثین کرام نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، امام ابراہیم بن ابی طالب کا ذریعۂ معاش صرف ایک دوکان کا کرایہ تھا، جسکی مقدار ۱۹ درہم ماہوار تھی[1]، امام محمود بن علی بن میمون اجرت پر کتابت کرکے وجہ معاش حاصل کرتے تھے[2]، امام ابن سکرہ کا گذر اوقات معمولی تجارت پر تھا، جسکو وہ چند دوستون کی شرکت مین کرتے تھے[3]، امام ابو محمد الحسین بن مسعود کے باپ پوستین بناتے تھے، اور اسکو بیچ کر وجہ معاش پیدا کرتے تھے، اس حالت مین وہ اِس قناعت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے کہ صرف روٹی کا ایک ٹکڑا کھا کر رہجاتے تھے، لوگون نے اس پر ملامت کی تو زیتون کے تیل کا اور اضافہ کرلیا[4]، اس بنا پر اگر محدثین کرام کے ہاتھ کو زہد واستغنا نے نہ روکا ہوتا تو وہ نہایت آسانی کے ساتھ دستِ سوال بن سکتا تھا، لیکن باایں ہمہ قناعت وبے نیازی نے اُنکے ہاتھ کو کبھی امراء وسلاطین کے دامن کرم کیطرف بڑھنے نہ دیا،

اسلام مین اکثر علوم وفنون نے امراء وسلاطین کی شاہانہ فیاضیون کے بل پر ترقی کی ہے، مامون نے فلسفہ یونانی کا ترجمہ کروایا تو جس کاغذ پر ترجمہ کیا جاتا تھا، اُسکے برابر تول تول کے سونا دیتا تھا، اسلئے بہت سے لوگ دبیز کاغذ پر ترجمہ کرتے تھے کہ معاوضہ زیادہ ہاتھ آے، لیکن محدثین کرام کے استغنا نے درہم ودنیار کو ہمیشہ اپنے دامن کا بدنما داغ سمجھا، اور اگر کسی محدث نے اس زرین اخلاقی اصول کی خلاف ورزی کی تو اسکے لئے یہ

[1] طبقات الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۹۴، [2] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۹، [3] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۲۰، [4] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۲۳۶،

سخت ننگ وعار کا موجب خیال کیا گیا، امام حارث بن محمد چونکہ نہایت تنگدست وکثیر العیال تھے[1]
اسلئے انکو مجبوراً روایت حدیث پر مالی معاوضہ لینا پڑتا تھا، لیکن باین ہمہ مجبوری دارقطنی نے
انکی توثیق کی تو ان الفاظ مین اسکا دفع دخل کیا،

واما اخذ الدراهم على روايته فكان فقراً كثير البنات[2]،	لیکن وہ روایت پر اسلئے درہم لیتے تھے کہ وہ محتاج تھے اور انکے بہت سی لڑکیان تھین،

اسی مجبوری کی وجہ سے علی بن عبدالعزیز بھی اس ننگ کو گوارا کرتے تھے، اور لوگون کی لعنت
وملامت سہتے تھے، نسائی نے اسی عیب کی بنا پر انکو ناپسند کیا ہے[3]، ابو یعلی موصلی اور حسن بن
سفیان دونون بڑے پایہ کے محدث تھے، لیکن ابو عمرو الحیری نے ایک موقع پر ابو یعلی کو
حسن پر ترجیح دی، لوگون نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے، حسن کا مسند انسے بڑا ہے، اور انکے
شیوخ اعلیٰ درجہ کے ہین، بولے، اسکی وجہ یہ ہے کہ ابو یعلی خالصۃً لوجہ اللہ روایت
کرتے تھے، اور حسن نے اسکو ذریعہ معاش بنا لیا تھا[4]،

اس قسم کی حرص وطمع کا مرکز صرف امراء وسلاطین کا دربار ہو سکتا تھا، اسلئے محدثین نے
اس گروہ کے تقرب ہی کو ناجائز قرار دیا، عمر بن حاجب نے جن اسباب کی بنا پر محمد بن بکر کی
تضعیف کی ہے، ان مین ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ امراء کے یہان جاتے تھے[5]، اس تشدد و
التزام کی بنا پر محدثین کرام کے سوانح زندگی مین زہد واستغنا کی نہایت روشن مثالین نظر آتی
ہین، علی بن احمد ایک نہایت دولتمند محدث تھے، انھون نے ایکبار ابن جبویہ کو اپنے گھر مین
بلایا، اور اشرفیون کے توڑے دکھا کر کہا کہ جسقدر جی چاہے، لیلو، انھون نے شکر گذاری کے ساتھ
انکار کر دیا[6]، ابن ماسی نے حافظ ابو عمر الزاہد کے مصارف ضروریہ اپنے ذمہ لئے تھے، اور برابر

[1] طبقات الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۱۴، [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۹، [3] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۷، [4] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۲۶، [5] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۹۸،

انکے یہان بھیجتا رہتا تھا، ایکبار کچھ دنون کے لئے یہ رقم بند کر دی، لیکن بعد کو کل رقم ایک ساتھ
بھیجی، اور اس تعویق پر معذرت کی، انھون نے اسکو واپس کر دیا، اور خط کی پشت پر لکھوا دیا کہ
آپ پہلے ہماری عزت فرماتے تھے، تو ہم اس رقم کے مالک ہو جاتے تھے، اسکے بعد جب
آپ نے اپنی توجہ ہٹالی تو ہمکو اس دردسر سے نجات حاصل ہوئی[1]"،

ایکبار خطیب بغدادی جامع صور مین بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک علوی آیا، اسکی آستینون
مین اشرفیان بھری ہوئی تھین، اسکو دکھا کر اس نے خطیب بغدادی سے کہا کہ "ان کو اپنی
ضروریات مین صرف فرمائیے"، خطیب نے نہایت ترشروئی سے کہا کہ "مجھے اسکی ضرورت
نہین"، بولا، کہ "شاید آپ اسکو کم سمجھتے ہین"۔ اور یہ کہکر انکے مصلی پر آستین جھاڑ دی، اور کہا کہ
یہ تین سو اشرفیان ہین"۔ خطیب نے مصلی سنبھالا، اور سر جھکا کر چلتے ہوئے، علوی اپنا سا منھ
لیکر رہ گیا[2]۔

ایکبار سفاح مدینہ مین آیا اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمن کو کچھ مال دینا چاہا، لیکن انھون نے انکار کر دیا[3]،
ایکبار قاسم بن مخیمرہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے، ان پر ۸۰ دینار کا قرض
آتا تھا، انھون نے انکی جانب سے ادا کر دیا، انکی سواری کے لئے ایک خچر دیا، اور ۵۰ دینار ماہوار
وظیفہ مقرر کر دیا، انھون نے سپاسگذاری کے لہجہ مین کہا کہ "آپ نے مجھکو اب تجارت سے
بے نیاز کر دیا" اسکے بعد انھون نے ایک حدیث پوچھی تو بولے، کہ "اے امیرالمؤمنین معاف
فرمائیے"، راوی کا بیان ہے کہ انھون نے اس طریقہ سے حدیث کی روایت کو پسند نہین کیا[4]،
ایکبار دلف بن ابی دلف قبیصہ بن عقبہ کے یہان حشم وخدم کے ساتھ آیا اور دروازہ پر
ٹھہر گیا، انکے نکلنے مین دیر ہوئی تو خدام نے جاکر کہا کہ بادشاہ کا لڑکا دروازہ پر کھڑا ہے، اور

[1] طبقات الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۹۰، [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۳۴۳، [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۴۴، [4] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۹،

آپ نہین نکلتے، اُنھون نے دامن مین روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا، اور نکل کر کہا کہ جو اسپر قانع ہوگیا ہے اُسکو بادشاہ کے لڑکے سے کیا غرض، خدا کی قسم مین اُسکے سامنے حدیث نہ بیان کرونگا،[1]

اسلام مین جعفر بن یحییٰ برمکی کی فیاضیون نے تمام دنیا کو اپنا غلام بنا لیا تھا لیکن صرف محدثین کا گروہ اس شکنجہ سے آزاد تھا، ایکبار اُس نے عیسیٰ بن یونس کو ایک لاکھ درہم دینا چاہا، لیکن اُنھون نے اس سے انکار کر دیا، اور کہا کہ "اہل علم طعنہ دینگے کہ مین نے حدیث کی قیمت لی،[2]

ایکبار مامون رشید نے کوفہ مین تمام محدثین کو بلوایا، عبد اللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس کے سوا تمام لوگ آئے، اور اُسکے سامنے حدیثین بیان کین، اب مامون اور امین خود انکے پاس تشریف لیگئے، اور ان بزرگون نے اُنکے سامنے روایت حدیث کی، مامون نے عیسیٰ بن یونس کو دس ہزار کی رقم دینا چاہی، لیکن اُنھون نے صاف انکار کر دیا،[3]

ایکبار امیر طاہر نے حافظ محمد بن رافع کی خدمت مین پانچ ہزار کی رقم بھیجی لیکن اُنھون نے قبول نہین کیا،[4]

ایکبار خلیفہ **مکتفی باللہ** نے ایک کتاب کی صورت مین تمام علمار کے اقوال کو جمع کرانا چاہا، اس غرض کے لئے لوگون نے امام محمد بن جریر طبری کا انتخاب کیا، وہ آئے اور اسکے متعلق ایک کتاب لکھوائی، انکو اس پر صلہ دیا گیا تو انکار کر دیا، لوگون نے کہا "آخر ضروریات کے لئے کوئی صورت تو ہونی چاہیے"۔ بولے "مین امیر المومنین سے درخواست کرونگا کہ جمعہ کے دن سوال کرنیکی عام ممانعت کردین"، اسی طرح اُنسے ایک وزیر نے فقہ مین ایک کتاب تالیف کرائی اور ایک ہزار دینار اسکے صلہ مین دیا، لیکن اُنھون نے اُسکو واپس کر دیا،[5]

۱ طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳۴۴، ۲ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۵۰، ۳ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۵۲، ۴ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۹۳، ۵ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۷۸،

صرف ان صلات و جائزات کی تخصیص نہین بلکہ محدثین کرام عموماً مذہبی خدمات پر کسی قسم کا معاوضہ لینا پسند نہین کرتے تھے، امام احمد بن حنبل نے صیغہ قضا سے کبھی وظیفہ نہین لیا،[1] بلکہ بعض محدثین تو خود اس خدمت ہی کو قبول نہین کرتے تھے، ایکبار امام محمد بن جریر طبری کی خدمت مین یہ عہدہ پیش کیا گیا تو اُنھون نے اسکے قبول کرنے سے انکار کیا،[2]

غرض محدثین کی زندگی کا خالص مقصد اشاعتِ علم، اور اشاعتِ مذہب تھا، اور اُسکو وہ کسی قسم کی دنیوی آلائش سے آلودہ و مخلوط نہین کرنا چاہتے تھے، ایکبار ابو نصر سنجری کی خدمت مین ایک عورت حاضر ہوئی، اور ایک ہزار اشرفیان پیش کرکے نکاح کی درخواست کی، اور کہا کہ "مجھے درحقیقت نکاح کی ضرورت نہین ہے، اس حیلہ سے صرف آپکی خدمت کرنی چاہتی ہون"، اُنھون نے کہا کہ "اشرفیان اُٹھا لو اور چلی جاؤ"۔ وہ واپس گئی تو کہا کہ "مین سجستان سے صرف تحصیل علم کے لئے نکلا ہون، اسلئے اگر نکاح کرونگا تو مجھسے طالب العلم کا خطاب چھن جائیگا، اور مین تحصیل علم کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہین دلیسکتا،[3]

ایکبار زکریا بن عدی کی آنکھین آشوب کر آئین، ایک شاگرد نے اُنکی خدمت مین سُرمہ پیش کیا، بولے کہ تم مجھسے حدیث سنتے ہو؟ اُس نے اقرار کیا تو سرمے کو واپس کر دیا،[4]

ایکبار حسن بصری نے بازار مین کپڑا خریدنا چاہا، قیمت چکانے پر بزاز نے کہا کہ "آپکو اس قیمت پر دیتا ہون، دوسرا ہوتا تو اس سے زیادہ لیتا"، چونکہ یہ رعایت صرف اِس بنا پر تھی کہ وہ بہت بڑے محدث تھے، اِسلئے عمر بھر اُنھون نے اس سے فائدہ اٹھانا پسند نہین کیا یعنی پھر کبھی بازار تشریف نہین لیگئے،[5]

اس قناعت و بے نیازی کا اثر علم حدیث پر

محدثین کرام کا یہ زہد و استغنار اگرچہ اخلاقی حیثیت سے تمام دنیا کیلیے

۱ طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۸۰، ۲ ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۷۹، ۳ ایضاً جلد ۳ صفحہ ۳۱۴، ۴ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۶۳، ۵ مسند دارمی

اسوۂ حسنہ بن سکتا ہے، لیکن اسکا اثر صرف اخلاق ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ اُنکا اصلی احسان یہ ہے کہ انکی اس خوددارانہ بے نیازی نے علم حدیث کو کسی قسم کی دنیوی اثر سے متاثر ہونے نہین دیا، یہود کے مذہب کو دنیوی حرص و طمع نے بالکل مسخ و بے اثر کردیا، لیکن محدثین کرام نے مال و دولت کے لالچ سے مذہبی روایات کا ایک لفظ بھی اپنی جگہ سے ہٹنے نہین دیا، یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کی مذہبی روایتین تمام دنیا سے زیادہ موثق و قابل اعتماد ہین،

حافظ ابراہیم بن طہمان کو بیت المال سے ماہوار وظیفہ ملتا تھا، ایکبار آنسے خلیفہ کے دربار مین کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو انھون نے کہا کہ "مین نہین جانتا" لوگ بولے کہ آپ ہر مہینہ مین اسقدر وظیفہ لیتے ہین، اور ایک مسئلہ کا صحیح جواب نہین دیسکتے" بولے "مین وظیفہ صرف اس غرض سے لیتا ہون کہ صحیح مسئلہ بتا سکون، اور اگر غیر صحیح مسئلہ پر مین وظیفہ لینا پسند کرتا تو ابتک بیت المال کا کل سرمایہ فنا ہوچکا ہوتا،[1]

علم حدیث کی صحت کا تمامتر دارومدار جرح و تعدیل پر ہے، لیکن ایکبار قاضی معاذ بن معاذ نے عفان بن مُسلم کو دس ہزار اشرفیان اِس غرض سے دین کہ وہ ایک شخص پر جرح و تعدیل نہ کرین، اُنھون نے انکار کردیا اور کہا کہ "مین حق کو باطل نہین کرسکتا"[2]،

ایکبار ایک ہاشمی ابن مبارک کے پاس حدیث سُننے کے لئے آیا، اُنھون نے انکار کیا، وہ واپس چلا تو اُٹھے اور رکاب تھام کر اُسکو سوار کرایا، ہاشمی نے کہا کہ آپ میرے سامنے حدیث تو بیان نہین کرتے، اور میرا رکاب تھامتے ہین"۔ بولے "مین آپ کے سامنے خود تو ذلیل ہوسکتا ہون، لیکن حدیث کو ذلیل نہین کرسکتا"[3]،

[1] طبقات الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۹۲ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۴۸ ، [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۵۲ ،

مذہبی روایات کی بیحرمتی کی ابتدا سب سے پہلے امراء کی گروہ کی طرف سے ہوتی ہے پھر اُنکے اثر سے یہ زہر تمام قوم کے رگ و پے مین سرایت کرجاتا ہے، لیکن محدثین کرام نے امراء کے سامنے کبھی فن حدیث کی بیحرمتی گوارا نہین کی، ایکبار سلطان مصر عبدالقاہر رہاوی کے حلقۂ درس مین آیا، اور اپنے بھائی سے باتین کرنا شروع کین، اُنھون نے ڈانٹا، اور کہا کہ ہم علم حدیث کی تعلیم اس غرض سے نہین دیتے کہ تم دونون یہان آکر باتین کرو[1]،

اس بے نیازی کا اثر اشاعت حدیث پر

احادیث نبوی کی حفاظت و صیانت کے ساتھ محدثین کرام کے اس زہد و استغنا کا اثر اشاعت حدیث پر بھی نہایت وسعت کے ساتھ پڑا جیسا کہ اُوپر کے واقعات سے ثابت ہوا ہوگا، اس بے نیازی نے محدثین کی نگاہ مین مال و دولت کو بالکل بے حقیقت کردیا تھا، اِسلئے انکو جو کچھ ملتا تھا اسکو بدریغ علم حدیث کی تدوین و اشاعت مین صرف کرتے تھے، حافظ صالح بن احمد کی مِلک مین صرف ایک چکی تھی، اُنھون نے املا کرایا تو اُسکو ... دینار پر فروخت کرڈالا، اور اس رقم سے طلبہ کیلئے تحریر و کتابت کا سامان فراہم کیا[2]،

حافظ ابن جوہری نے اپنی کل میراث فن حدیث کی جمع و ترتیب مین صرف کردی[3]،

حافظ ابوالقاسم کو سلطنت کی طرف سے جو ماہوار تنخواہ ملتی تھی، اُس مین سے ایک حبہ بھی اپنے اُوپر صرف نہین کرتے تھے، بلکہ اسکو طلبا کے لئے وقف کردیا تھا[4]، حافظ احمد بن مہدی نہایت دولتمند محدث تھے، اور اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ اہل علم پر صرف کرتے تھے، چنانچہ اُنھون نے ان پر تین لاکھ درہم صرف کیا[5]، دعلج بن محمد بھی نہایت دولتمند تھے، اور مکہ مین اہل حدیث کیلئے بہت سی جائداد وقف کررکھی تھی[6]،

متانت و وقار

تمدن ایک دائمی حرکت کا نام ہے، اسلئے اس زمانہ مین سنجیدگی و متانت

[1] طبقات الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۹۶ [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ [3] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۲۵ [4] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ ، [5] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ ، [6] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۹۸ ،

بالکل مفقود ہوگئی ہے، اور اسکی جگہ تفریح اور لھو و لعب کے ساز و سامان نے لیلی ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ مذہبی، ملکی اور قومی مقاصد کے لئے شاندار جلسے کئے جاتے ہین، قوم اور ملک کے تمام اکابر و اعیان اُن مین جمع ہوتے ہین، لیکن شور و غل کے سوا ان مین سکون و اطمینان کی جھلک کہین نظر نہین آتی، لیکن علم حدیث کے ادب و احترام نے محدثین کرام کو متانت و وقار کا مجسمہ بنا دیا تھا، اسلئے اُنکی مقدس صحبتون مین کلمات طیبۂ نبویہ کی صداے بازگشت کے سوا اور کسی قسم کی آواز نہین سنائی دیتی تھی، امام ابراہیم بن ابی طالب کے حلقۂ درس مین طلبا بہ مشکل چھینک سکتے تھے[۱]، حافظ عبد اللہ بن موسیٰ کے متعلق عجلی کا بیان ہے کہ انکو کسی نے کبھی ہنستے ہوے نہین دیکھا[۲]"، امام اسحاق بن سفیان ایک مرتبہ حدیث کی روایت کر رہے تھے سوء اتفاق سے ایک لڑکا ہنس پڑا، اُنھون نے فوراً اُسکو نکلوا دیا[۳]،

یہ متانت اور وقار محدثین کا عام شعار تھا، اور اگر کوئی محدث اسکے خلاف کوئی حرکت کرتا تھا تو اُسپر سخت اعتراضات کئے جاتے تھے، امام ابو عبد اللہ صوری فطرۃً ظریف الطبع اور خوش مزاج محدث تھے، ایکدن وہ ابو عباس رازی کے سامنے پڑھ رہے تھے کہ انکو کسی بات پر دفعتہً ہنسی آگئی، اہل شہر کی ایک جماعت نے جو وہان موجود تھی اس پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ "یہ آپکے شایان شان نہین، آپ حدیث رسول اللہ پڑھتے ہین، اور پھر ہنستے ہین، ہمارے شہر کے شیوخ اسکو پسند نہین کرتے[۴]،

محدثین کی اسی متانت و سنجیدگی نے فن حدیث کی عزت و وقار کو قائم رکھا تم اُوپر پڑھا ہوگا کہ جب ایک بادشاہ نے ایک محدث کے حلقۂ درس مین باتین کرنا شروع کین تو اُنھون نے اُسکو کس طرح ڈانٹ بتائی،

(باقی آئندہ)

[۱] طبقات الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳، [۲] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۴۴، [۳] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۲۵، [۴] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۱۲

فنون لطیفہ

اقسام فنون لطیفہ

(۲)

ترجمہ، مرزا احسان احمد بی اے

مختلف اصول جنکی بنا پر فنون لطیفہ تقسیم کئے گئے ہین

فن عمارت، سنگتراشی، مصوری، موسیقی، اور شاعری جیسا کہ ہم ابتدا ہی مین لکھ آے ہین، پانچ خاص فنون لطیفہ ہین، جو تمام مہذب اور متمدن سوسائٹیون مین رائج ہین،

مختلف اصول کو مد نظر رکھکر لوگون نے فنون لطیفہ کی تقسیم کی ہے، مثلاً اگسٹ کامٹی نے اصول سادگی کو پیش نظر رکھکر فنون لطیفہ کو اس طرح ترتیب دیا ہے: فن عمارت اپنے اثرات اور مادی شرائط اور حدود کی حیثیت سے سب سے زیادہ سادہ فن ہی اسکے بعد سنگتراشی، مصوری، اور فن موسیقی کا نمبر ہے، لیکن شاعری چونکہ اُسکے اثرات نہایت مخصوص ہوتے ہین، اور وہ واقعات قدرت، اور تجربات زندگی کا آئینہ ہوتی ہے، سب سے زیادہ پیچیدہ فن ہے،

لاٹزی نے آزادی کو جو نسبتہً کم و بیش فنون لطیفہ مین پائی جاتی ہی، اپنی تقسیم کا اصول قرار دیا ہے، (آزادی سے مطلب یہ ہی کہ انکو واقعات قدرت کی نقالی یا رفع ضروریات انسانی سے کوئی تعلق نہین) سب سے پہلا نمبر موسیقی کا ہے، کیونکہ اسکو نہ واقعات قدرت کی نقالی کرنی ہے، اور نہ کسی عملی مقصد کو پورا کرنا ہے، اسکے بعد فن عمارت ہے، کیونکہ اگرچہ اُس کا دامن مقاصد ضروریہ اور شرائط مادی سے وابستہ ہے، تاہم نقالی کے فرض سے آزاد ہے، اور آنکھون کو کچھ نہ کچھ اسکی گلکاریون سے حظ حاصل ہوتا ہے، اسکے بعد سنگتراشی، مصوری، اور

شاعری کا نمبر آتا ہے، یہ تمام فنون نقالی کے فرض سے سبکدوش نہین ہو سکتے، اسی طرح اور بہت سے دانایان فن نے مختلف اصول کی بنا پر فنون لطیفہ کی تقسیم کی ہے،

لیکن ان تقسیمون مین ایک سخت غلطی واقع ہوئی ہے، یعنی یہ خیال کیا جاتا ہو کہ ہر تقسیم بجاے خود مکمل ہے، اور دوسری تقسیم کے بجاے کام آسکتی ہے، حقیقت یہ ہو کہ فنون لطیفہ کے باہمی تعلقات اسقدر پیچیدہ ہین کہ کوئی جامع اور مانع تقسیم نہین ہو سکتی، فنون لطیفہ کی ہر تقسیم اس اصول کے موافق جو مدنظر رہتا ہے، ضرور ہونی چاہیئے، اور علمی اغراض کیلئے متعدد تقسیمون کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، ہم اسوقت فنون لطیفہ کے سادہ اور مسلمہ تعلقات کو پیش نظر رکھکر انکی تقسیم کرینگے

تقسیم اول فنون لطیفہ کے ذریعہ سے یا تو کوئی خاص چیز وجود مین آتی ہے، جسکو ہم دیکھتے ہین اور استعمال کرتے ہین، یا کچھ بھی نہین، وہ فنون جنکے نتائج کو ہم دیکھتے ہین اور استعمال کرتے ہین، تین ہین، فن عمارت، سنگتراشی، اور مصوری، ان فنون کا مایۂ خمیر خارجی مادہ ہے، جسکو مختلف طریقون مین ترکیب دیکر نہایت خوبصورت چیزین تیار کرتے ہین لیکن فن موسیقی اور فن شاعری سے اس قسم کے مادی نتائج نہین پیدا ہوتے، موسیقی سے جو کچھ پیدا ہوتا ہی اسکو ہم محض سنتے ہین، اور شاعری جو کچھ پیش نظر کرتی ہے، اسکو یا تو ہم سنتے ہین یا پڑھتے ہین، اور پڑھنا بھی تو ایک قسم کا دماغی سننا ہے، جسمین ہم بجاے کان کے آنکھ سے کام لیتے ہین، چونکہ شاعری اور موسیقی اُن چیزون کا اظہار کرتی ہین جنکا تعلق محض وقت سے ہوتا ہے، اسلئے یہ فنون لسانیہ مین داخل ہین، اور بقیہ فنون یعنی فن عمارت، سنگتراشی اور مصوری فنون صناعیہ کے تحت مین آتے ہین، کیونکہ انسے وہ اشیار وجود مین آتی ہین، جن کا تعلق وقفہ سے ہوتا ہے،

تقسیم دوم: فنون نقلی اور غیر نقلی فنون لطیفہ مین سے جو فنون اشیار قدرت کی نقالی کرتے ہین،

تین ہین، سنگتراشی، مصوری، اور شاعری، بقیہ یعنی فن عمارت اور موسیقی اس سے آزاد ہین، ارسطو نے فنون لطیفہ کی اس خصوصیت پر بہت زور دیا ہے، لیکن اسکے اصول کو سمجھنے کیلئے ہمکو پہلے یہ دکھانا چاہیئے کہ اسکے نزدیک نقل کا کیا مفہوم تھا؟ اور اب ہمارے نزدیک کیا ہے، ارسطو کا خیال تھا کہ نقالی محض اشیار مادی تک محدود نہین ہے، بلکہ اسکے حدود کے اندر خیالات وجذبات بھی شامل ہین، چنانچہ موسیقی اور رقص جن سے ایسے جذبات کا اظہار ہوتا ہے جو تمام متعین خیالات یا اشکال سے بالکل جدا کیے جا سکتے ہین، ارسطو کے نزدیک فنون نقلی ہین، لیکن ہمارا دائرہ خیال اس سے زیادہ تنگ ہی، ہمارے نزدیک نقالی محض موجودہ واقعات یا تجربات زندگی تک محدود ہے، اس بنا پر وہ فنون نقلی کہے جا سکتے ہین، جو یا تو اشیار کو اپنی اصلی صورت مین ہمارے پیش نظر کر دیتے ہین، مثلاً سنگتراشی، اور مصوری، یا محض ان اشیار کا ایک تخیل ہمارے دماغ مین قائم کر دیتے ہین، مثلاً شاعری، لٹریچر، اور ہم ان فنون کو نقلی نہین کہہ سکتے جو محض صورت یا آواز کی تحلیل وترکیب کے ذریعہ سے جذبات کو ظاہر یا برانگیختہ کرتے ہین، اور کسی خاص چیز سے انکو کوئی تعلق نہین، مثلاً موسیقی یا فن عمارت

موسیقی غیر نقلی فن ہی، بلاشبہہ جب موسیقی الفاظ کی صورت مین ظاہر ہوتی ہے، تو جذبات کے ساتھ چند خاص خیالات بھی ہمارے پیش نظر ہوتے ہین، یعنی وہ خیالات جنکا اظہار خود الفاظ کے ذریعہ سے ہوتا ہے، لیکن وہی الفاظ اگر بغیر کسی راگ کے ادا کیے جائین، تب بھی وہی خیالات ہمارے پیش نظر ہونگے، حقیقت یہ ہو کہ موسیقی الفاظ کی بالکل پابند نہین ہے، یہ محض ایک خالص جذبہ کا نام ہے جو قوت سامعہ کے ذریعہ سے حرکت مین لایا جاتا ہے، جو الفاظ کی تشریح مین کام نہین آتا، بلکہ الفاظ کے اس اثر کو جو جذبات پر پڑتا ہے دوبالا کر دیتا ہے، یہ مسلمہ ہے کہ جب کوئی دلکش گیت گائی جاتی ہے تو ہمارے جذبات کافی

طور پر متاثر ہو جاتے ہین، چاہے ہم الفاظ کے معنی نہ سمجھ سکین یا اس زبان سے نہ واقف ہون، جس مین وہ گیت لکھی گئی ہے، موسیقی کا خاص مقصد چند متعین خیالات یا مادی اشیاء کو پیش نظر کر دیتا نہین، بلکہ قوت سامعہ کے احساسات کو تحریک مین لاکر خوش کرنا ہے، اور اس طرح مغنی اور سامع دونون کے دل مین ایک مخصوص جذبہ پیدا ہوتا ہے، جو ضبط بیان مین نہین آسکتا ارسطو کے رائے کی تائید اس بنیاد پر نہین کیجا سکتی کہ اسکے زمانہ مین فن موسیقی نے اتنی ترقی نہ کی تھی جتنا اب کی ہے، بلا شبہہ فن موسیقی کی حیرت انگیز ترقی موجودہ زمانہ کا طغرائے امتیاز ہے، لیکن اُسکی اصلی خصوصیت جیسا کہ قدیم ترین زمانہ مین تھی، اب بھی ہے، اسمین کوئی تغیر و تبدل نہین ہو سکتا، یعنی موسیقی محض ایک جذبہ ہی جو دل سے اُٹھتا ہی، اور دل ہی مین گھر کرتا ہی، یہ کسی چیز کے مشابہ نہین، یہ الفاظ کی پابند نہین،

ایک اعتراض اور اسکا جواب

اس موقع پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہی کہ کیا سازدار موسیقی بعض اوقات قدرتی آوازون کی حقیقتاً نقالی نہین کرتی، مثلاً جنگل کی کھڑکھڑاہٹ، باد صرصر کی لپٹ یا بجلی کی کڑک وغیرہ کیا ان چیزون کا جو تخیل ہمارے دماغ مین قائم ہوتا ہے، وہ تقریباً نقالی کے برابر نہین ہوتا، یہ صحیح ہی موسیقی اپنے غیر مادی سرون کو ایسے مادی صورت مین بدلدیتی ہے کہ ہم صاف طور پر قدرتی آوازون کا احساس کرتے ہین، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مغنی کے کمال کی دلیل نہین، بلکہ اسکے نقص کا علانیہ ثبوت ہے، مغنی کا اصلی کمال اس مین نہین ہے کہ وہ قدرتی واقعات اور کرشمون کا ایک تخیل ہمارے دماغ مین قائم کر دیتا ہے، بلکہ وہ ہمارے ان مخفی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہی جو عقل کی حکومت سے تقریباً آزاد ہین، اور یہی موسیقی کا اصلی کمال اور راز ہے،

یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی نغمہ سے مختلف دماغون مین مختلف قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہین، مثلاً کسی کے دل مین عشق و محبت کا دریا موج زن ہوتا ہے، کسی کے پیش نظر جنگ وغیرہ کے

نشیب و فراز ہوتے ہین، کوئی روحانیت کے جذبہ مین محو ہو جاتا ہے، کسی کے آنکھون کے سامنے دنیا کے جنگ و فساد کا نقشہ پھر جاتا ہے، یہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ موسیقی کسی خاص چیز کے مشابہ نہین، یہ ایک عام آواز ہے جو ہمکو اشیا کے نفس حقیقت کی طرف مدعو کرتی ہے، جسکو فنا ہونے والے واقعات کی مصوری سے کوئی تعلق نہین، اسکاپن ہیرس کہتا ہی کہ موسیقی دنیا کے رازہاے سربستہ کے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیتی ہے، اور رموز قدرت کا ایسی زبان مین انکشاف کرتی ہے جو عقل کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے،

موسیقی کی تعریف

ارسطو نے فنون لطیفہ کی تقسیم کی بنیاد دو اصول پر رکھی ہے، اشیاء فطرت جن کی نقالی کیجاتی ہے، اور وہ ذرائع جن سے نقالی مین کام لیا جاتا ہے، لیکن موسیقی کو پہلے اصول سے کوئی تعلق نہین، جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا ہے، اسکے ذرائع قدرتی اور مصنوعی آوازون کی ترکیب اور نشیب و فراز ہین، جنکی بنیاد تین اصول پر قائم کیگئی ہے، تال، اور سُر، (یہ دونون مل کر نغمہ پیدا کرتے ہین) اور ہم آہنگی یا تال اور لہجہ کے مختلف چڑھاؤ اور اُتار کے باہمی تعلقات، ان ذرائع سے موسیقی یا تو خود اپنی جداگانہ بنیادین قائم کرتی ہے، یا فن گویائی (جو نقلی ہے) کو زیادہ با اثر اور اور آراستہ کرتی ہے، لیکن خود نقالی نہین کرتی، ان حالات کی بنا پر فن موسیقی کی تعریف نہایت سادہ طور پر یون کیجا سکتی ہے کہ ایک لسانی فن ہے، جسکا مقصد منتظم آواز کی ترکیب اور زیر و بم سے جذبات کا اظہار کرنا اور اُبھارنا ہے،

فن عمارت ایک غیر نقلی فن کی حیثیت سے

جس طرح موسیقی آواز کے تال و سُر کو مختلف طریقون پر ترکیب دیکر دلفریب نغمے پیدا کرتی ہے، اسی طرح فن عمارت غیر متحرک مادہ کی تحلیل و ترکیب سے خوبصورت اشیاء وجود مین لاتا ہے، موسیقی اپنے ہم آہنگ نغمون سے قوت سامعہ کو محظوظ کرتی ہے، اور فن عمارت اپنے رنگ آمیزی، تناسب حصص، سادگی، نقش و نگار، وسعت،

استحکام وغیرہ کے ذریعہ سے قوت باصرہ کو، فرق اسقدر ہی کہ فن عمارت کا سرمایہ آواز کی طرح غیر محسوس اور غیر منجمد نہین ہے، بلکہ لکڑی، اینٹ، گارہ، پتھر، دہات سی سخت چیزین ہین اور قوانین وزن و ثقل جنکے مطابق ان اجزا کی تحلیل و ترکیب کیجاتی ہے، بہ نسبت قوانین تال و سُر جسپر موسیقی کی بنیاد ہے، بہت زیادہ سخت و محدود ہین، معمار برخلاف مغنی کے بہت کچھ پابند ہے، ان عمارتون کے بنانے مین بھی جو روزانہ استعمال یا ضرورت کے لئے نہین ہین، بلکہ یادگار یا عبادت کیلئے ہین، معمار کو تناسب و ترکیب اجزاء کے لئے قوانین کی پابندی کرنی پڑتی ہے، یہان بھی اسکو آزادی حاصل نہین، فائدہ کا بھی تخیل اُسکے دماغ مین رہتا ہی،

فن عمارت اور موسیقی کا مقابلہ اس بنا پر فن عمارت کے اثرات مین اسقدر گوناگون اور غیر مترقبہ حظ ولطف محسوس نہین ہوئے، جسقدر فن موسیقی کے اثرات مین، تاہم بادۂ نظر کے ذوق شناس جانتے ہین کہ قرون جلیلہ کے فن عمارت نے ایسے نتائج پیدا کئے ہین جو ان محاسن کے لحاظ سے جو ان دونون مین مشترک ہین، فن موسیقی کے کمالات سے کچھ ہی کم ہین، صفائی، تناسب اجزاء، لطافت نقش و نگار وغیرہ ان سب باتون کی حیثیت سے ایتھنز کے پارتھنین سے موسیقی کبھی سبقت نہین لیجا سکتی، قرون وسطی کے شاندار عبادتگاہون سے جو روحانی جذبات دل مین پیدا ہوتے ہین یا انکی رفعت وعظمت، خوبصورتی پلین وغیرہ سے جو اثر محسوس ہوتا ہی، کیا موسیقی اس سے کچھ زیادہ کرسکتی ہے؟

باب التقریظ والانتقاد

التربیۃ الاستقلالیہ

(۳)

تربیت حواس

تربیت درحقیقت بچے کے قوائے فطریہ کے نشو ونما دینے کا نام ہے، اسلئے حس کا پہلے ظہور ہو، اُنھی کی تربیت مقدم ہوگی، بچہ سب سے پہلے دیکھتا ہی، سنتا ہے، چکھتا ہی، سونگھتا ہے چھوتا ہے، اور یہ تمام وظائف حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہین، اگرچہ اس مین اختلاف ہی کہ یہ تمام چیزین صرف عطیۂ آلٰہی ہین، یا ان مین کسب و تعلم کو بھی کچھ دخل ہے، تاہم بہرحال اسقدر تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا، کہ انسان کے حواس اور اُنکے نتائج کو مشق و تمرین کے ذریعہ سے ترقی دیجا سکتی ہے، چنانچہ امریکہ کے جبشی اپنے بچون کی قوت سامعہ و قوت باصرہ کو عملی طریقون سے بہت کچھ ترقی دے لیتے ہین، اِسلئے ہمکو سب سے پہلے تربیت حواس کی طرف توجہ کرنی چاہئیے،

وحشی قومین تربیت حواس کے لئے کسی خارجی موثر سے بالکل بے نیاز ہین، ایک بدو صحرا مین اپنے گھر کا خود محافظ ہوتا ہے، اِسلئے اُسکو رات کو جاگ کر ادہر اُدہر دیکھنا، اور ہر آواز کی طرف کان لگانا پڑتا ہے، اور اس طرح اسکے قوت باصرہ و سامعہ خود بخود ترقی کرجاتی ہے، لیکن تمدن نے ہکو ان جھگڑون سے نجات دلادی ہے، ہم امن و سکون کے ساتھ اپنے گھرون مین سوتے ہین، اور صرف مرغ سحر کی صدا ہمکو بیدار کرسکتی ہے، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو چیز ہمارے حواس کو قوی کرسکتی تھی، اُسکو تمدن نے ہم سے چھین لیا ہے، اگرچہ اُسکے معاوضہ مین اُس نے ہمکو ہزارون چیزین دی ہین، اور دوربین وغیرہ کی ایجاد نے مصنوعی طور پر ہماری نگاہ کو بیحد تیز کردیا ہے، تاہم عطیۂ آلٰہی کی حفاظت بھی کچھ کم ضروری نہین، ہم نے دور وحشت کی بہت سی چیزون کو محفوظ رکھا ہی،

کھیل کود، سیر وشکار، دوڑ دھوپ، کشتی، دنگل وغیرہ سب کی سب دور وحشت کی یادگارین ہین، اور ہمارے قواے نظریہ کے لئے بیحد نشاط انگیز ہین، اِسلئے تمام قواے جسمانی کی ریاضت کے ساتھ سب سے پہلے حواس ظاہری کی تربیت کرنی چاہئے، کیونکہ یہی حواس عقلی علوم ومعارف کا سرچشمہ ہین، اور عقلی تربیت اُنکے بغیر ناممکن ہے، اب عام طور پر یہ ضرورت محسوس ہورہی ہے، قوت سامعہ قوت باصرہ، اور قوت لامسہ کی ترقی کے لئے خاص خاص ریاضتین متعین ہوگئی ہین، لیکن مُصنف کے نزدیک تربیتِ حواس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بچے کے تمام محسوسات اسکے سامنے اصلی صورت مین آئین، تمدن نے اگرچہ ایسے سامان وآلات مہیا کردیئے ہین جو ہر وقت بچون کے حواس کو چونکاتے رہتے ہین، لیکن پھر بھی یہ ایک مصنوعی محرک ہے، اِسلئے وہ بچون کو شہری زندگی سے الگ دیہات مین بسنے کا مشورہ دیتا ہے، جہان افق عالم، لالہ زار شفق نغمہ ہاے مرغان سحر، بوے گل، غرض تمام محسوسات اپنی اصلی صورت مین نمایان ہوتے ہین،

طریقۂ تربیت اخلاقی اصول وقواعد، مان باپ کی عملی زندگی، مذہبی تعلیمات وتلقینات، تربیت کا حقیقی ذریعہ ہین، اور بچے کی تمام زندگی انھی موثرات کے آثار ونتائج سے عبارت ہے، لیکن مصنف کے نزدیک یہ تمام چیزین گوناگون فوائد کے ساتھ ضرر کا پہلو بھی رکھتی ہین، وہ کہتا ہے کہ انجیل اور اسی طرح تمام آسمانی کتابین اخلاقی احکام کا بہترین مجموعہ ہین، لیکن کیا یہ تمام احکام انسان کی عملی زندگی پر کچھ اثر رکھتے ہین؟ انجیل نے ہر موقع پر امن وسلام کی دعوت دی ہے، لیکن کیا اس نے جنگ وجدل کا سدباب کیا؟ اس نے ہر موقع پر مواخات ومساوات کی تعلیم دی، لیکن کیا اس نے استبداد واستعباد کا قلع قمع کیا؟ اس نے کہا کہ جنت کی بادشاہت صرف غربا کے لئے ہے، لیکن کیا وہ قسیس جو تمام دنیا کو اس تعلیم سے اپنی طرف فریفتہ کرتے ہین، خود حب مال وحب جاہ سے بے نیاز ہین؟ داعیان مذہب نے خود محسوس کیا کہ ان سادہ احکام کی

اخلاقی عظمت کوئی موثر چیز نہین ہے، اِسلئے اُنھون نے دنیا کو انکی طرف جنت کی طمع اور دوزخ کی دہمکی دیکر متوجہ کیا، لیکن کیا بچے پر آیندہ زندگی کے نتایج وعواقب کا کچھ اثر پڑسکتا ہے؟

مان باپ کی عملی زندگی بچے کے لئے اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، جو لوگ اپنی زندگی کو بچے کیلئے اسوۂ حسنہ بنانا چاہتے ہین، یہ لوگ سمجھتے ہین کہ وہ تمام اخلاقی فضائل سے محلی ہین، حالانکہ ایسا نہین ہے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ریاکاری سے اپنے آپکو بچے کے سامنے بہترین اخلاقی صورت مین پیش کرتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ بچے کو اس خدع وفریب کی خبر نہین ہوتی، حالانکہ بچے کی سادگی کے یہ غلط معنی قرار دیئے گئے ہین، بچہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ اندرون خانہ کیا ہے؟ اور بیرون خانہ کس چیز کی نمائش کیجاتی ہے؟ ایک باپ نے اپنے پنج سالہ بچہ کو جھوٹ بولنے پر سخت سزادی، لیکن اسی حالت مین نوکر نے خبر دی کہ ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہین، اس صدق مجسم نے نہایت بے پروائی سے کہدیا کہ جاؤ کہدو کہ وہ گھر مین نہین ہین، کیا یہ اُسوۂ حسنہ بچے کو صدق واخلاص کی طرف متوجہ کرسکتا ہے؟

اس طریقۂ تربیت مین سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ بچے کا استقلال بالکل فنا ہوجاتا ہے وہ مان باپ کے قالب مین بالکل ڈھل جاتا ہے، حالانکہ تربیت کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ بچہ دنیا مین آزادانہ طور پر بالاستقلال اپنے قواے نظریہ کی نمائش کرے،

اس بنا پر مصنف کے نزدیک صرف عملی طریقۂ تربیت بچے کیلئے مفید ہوسکتا ہے، اور اس نے دلچسپ عملی مثالون سے اس طریقۂ تربیت کی وضاحت کی ہے،

مساوات کی تعلیم مساوات کے متعلق اسوقت مذہبی، اخلاقی، بلکہ فلسفیانہ حیثیت سے بھی بہت کچھ کہا جاتا ہے، اور تمام دنیا کو ایک رنگ مین رنگ جانے کی تعلیم دیجاتی ہے، لیکن جو لوگ مساوات کی تعلیم دیتے ہین، وہ عملی حیثیت سے خود اپنے آپ کو تمام دنیا سے افضل

ثابت کرتے ہین، اسلئے بچے کے لئے یہ نمونے کچھ مفید نہین ہوسکتے۔ بچے کو مساوات کی تعلیم صرف عملی طریقہ سے دیجاسکتی ہے، مثلاً تین بچے ہین، ان مین اگر ہر ایک کو کھانے کی صرف ایک چیز دیدی جاے تو اُن مین باہم کسی قسم کا اشتراک نہ پیدا ہوگا، لیکن اگر کسکٹ ہر ایک کی جیب مین ہوگا، اور بوقت ضرورت ہر ایک اسکو اپنی جیب سے نکال کر کھا سکیگا، لیکن اگر یہ صورت ہو کہ ایک بچے کی جیب مین امرود ہو، دوسرے کے پاس ناشپاتی ہو، تیسرے کے پاس سیب ہو، تو مجبوراً ہر ایک کو ایک دسترخوان پر کھانے کی ترغیب ہوگی، جسکے پاس امرود ہے، وہ ناشپاتی کھانا چاہیگا، اسلئے وہ خوامخواہ اُس بچے کو امرود کی قاش کاٹ کاٹ کر دیگا، جسکے پاس ناشپاتی ہے، اب وہ لڑکا جسکی جیب مین سیب ہے، امرود اور ناشپاتی دونو کی طرف لپکیگا لیکن جب تک وہ ان دونون کو سیب مین شریک نہ کرے کیونکر انکا شریک ہوسکیگا، اس بنا پر لامحالہ اسکو سیب مین ان دونون کو شریک کرنا پڑیگا، اور اس طرح اُن سب مین ایک عام مساوات پیدا ہوجائیگی

ایثار نفسی کی تعلیم انسان مین اگر ایثار نفسی کا مادہ پیدا ہوجاے تو وہ خود بہت سی اخلاقی برائیون کا قلع و قمع کرسکتا ہے، لیکن بچے مین یہ وصف اخلاقی نصائح سے نہین پیدا ہوسکتا، بچہ فطرۃً خودغرض حریص اور طماع ہوتا ہے، اور اسکو صرف حرص و طمع کی ایک بہترین عملی صورت سے ان مساوی اخلاق سے روکا جاسکتا ہے، مثلاً آم، امرود، خربزہ تین قسم کے پھل ہین، اور انکا زمانہ مختلف ہے، اب فرض کرو کہ تین لڑکے ہین، اور ایک شخص اُنکو ایثار نفسی کی تعلیم دینا چاہتا ہے تو اسکو اس تعلیم کے لئے ایک سال کی مدت معین کرنی چاہئے، اور آم کی فصل مین ایک بچے کو صرف آم، اور امرود کی فصل مین ایک بچے کو صرف امرود، اور خربزہ کی فصل مین صرف خربزہ دینا چاہئے، اول اول جس لڑکے کے ہات مین آم ہے وہ دوسرے بچون کو اس مین شریک کرنا پسند نکریگا، لیکن جاڑے کی ابتدا مین اسکو معلوم ہوجائیگا کہ اس نے اپنے رفیق کے معاملہ مین سخت غلطی کی ہے

اگر وہ اُسکے امرود مین حصہ لینا چاہتا ہے تو اس کا فرض تھا کہ اسکو اپنے آم مین شریک کرتا، یہ غلطی اسکے دل مین ایثار نفسی کا ایک فطری احساس پیدا کریگی، اور اس طریقہ سے چند سال مین اس کی تمام خودغرضیون کا خاتمہ ہوجائیگا،

رُباعیات وحید

میکش کی یہ خواہش ہے کہ میخانہ رہے
عاشق کی ہوس کہ وصل جانانہ رہے
ہین دست طلب مین سب گرفتار وحید
اپنی یہ تمنا ہے تمنا نہ رہے

رُخ کر تجھے جانا ہے جدہر مڑ کے نہ دیکھ
بڑھ چل کہ یہی راہِ خطر مڑ کے نہ دیکھ
فکر تنِ خاکی مین نہ ہو یون برباد
نادان یہی گردِ سفر مڑ کے نہ دیکھ

بچون کی طرح کبھی مچل جاتا ہون
وحشت مین کبھی دور نکل جاتا ہون
رفتار زمانہ کا ہون ممنون وحید
لگتی ہے جو ٹھوکر تو سنبھل جاتا ہون

دیوان حسرت

از - مولانا عبد السلام ندوی

دہلی مین شاعری نے جو متین اور سنجیدہ قالب اختیار کر لیا تھا وہ مدت ہوئی کہ مردہ ہو چکا تھا، لیکن وہ نغمۂ خاموش حسرت کی بدولت پھر غلغلہ انداز بزم عالم ہوا ہے، اس لیے مین چاہتا ہون کہ اس ساز حقیقت پر ایک مضراب اور لگاؤن کہ

نوا را تیز تر میزن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

حسرت کا نام اُردو پبلک مین محتاج تعارف نہین ہے، حسرت ایک شاعر اور ایک پولیٹکل آدمی ہے، شاید اس سے پہلے شاعری اور پالیٹکس نے ایک آشیانہ مین گھر نکیا ہو، وہ ایک طرف غالب و مومن کا مقلد ہے اور دوسری طرف مسٹر تلک کی اتباع پر فخر کرتا ہے، اردوے معلے کے صفحات مین شاعری اور پالیٹکس کے مضامین اُسکے قلم سے پہلو بہ پہلو نکلتے دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ ایک ہی شخص تخیل اور واقعیت دو بعید الحدود حکومتون پر کس طرح حکمرانی کر سکتا ہے،

حسرت کی شاعری ۱۸۹۴ء سے شروع ہوتی ہے تسلیم لکھنوی جنکو نسیم دہلوی کا تلمذ حاصل تھا، حسرت کے استاد تھے، بیگم صاحبہ حسرت موہانی نے حسرت کا مکمل دیوان جو آغاز شاعری سے ۱۹۱۶ء تک کے تمام کلام کا مجموعہ ہے، ابھی حال مین شائع کیا ہے[1]، یہ مجموعہ اسوقت ہمارے سامنے ہے، اور حسرت کی شاعری پر ہمکو اسی مجموعہ کی رہبری سے کچھ لکھنا ہی،

اُردو شاعری اپنے قدیم رنگ مین بہرحال زندہ ہے۔ البتہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہی

[1] بیگم صاحبہ حسرت موہانی، دفتر اردوے معلے علی گڑھ سے طلب کیجیے۔ قیمت ۱۲ر مع محصول،

اور اُسکی سند کے لیے دہلی اور لکھنؤ کے دار الضرب کی خصوصیت نہین رہی ہے، لیکن دہلی اور لکھنؤ کے اسکول مین جو اختلاف مذاق ہے وہ ہر جگہ موجود ہے، آج سے چند سال پہلے تک لکھنؤ کی شوخی نے دلی کی متانت کو شکست فاش دیدی تھی، لیکن جدید تعلیم کی اعانت سے دلی کی شاعری اپنے گزشتہ وقار کا پھر اعادہ کر رہی ہے، اور بے شبہہ اس نئی فوج کا علمبردار حسرت کا نکتہ پرداز قلم ہے،

فارسی محاورے اور ترکیبین

شعراے دہلی کے کلام کو جس چیز نے عوام کے طبقہ سے بلند کر دیا تھا وہ فارسی کی ترکیبین اور محاورے تھے، لکھنؤ کے شعراء نے اگرچہ اس زمانے مین ان ترکیبون کو اس قدر بھلا دیا کہ اب وہ بظاہر نامانوس معلوم ہوتی ہین، لیکن حسرت بکثرت ان کو استعمال کرتا ہے۔

زندگی بسر بردن

یون بسر لیجایئے لیل و نہارِ انتظار

مستیِ شوقِ یار سے ہی عیان — سر خوشیہاے بحجاب کے رنگ

خیل خوبان سے ایک مین بھی نہین — آپکے حسن لاجواب کے رنگ

غمِ یار اے تیرے بسمل ہزارون — اِدھر بھی ہو اِک وار تجھپر فدا ہم

ترے تمکین بیجد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہی

بدعواے وفا کیون شکوہ سنج جور ہی حسرت — دیارِ شوق مین اے محو غم ایسا بھی ہوتا ہے

ہے کونسی وہ ایسی اداے دلشکری کی — نہان جو ترے گوشۂ ابرو مین نہین ہی

وہ کس کس شرم سی عذر وفا تقریر کرتے ہین — ترے سودائیونکو لوگ کیون زنجیر کرتے ہین

زندگی کردن

پھر کہئے کس امید پہ ہم زندگی کرین

جدید ترکیبین

اس سلسلہ مین جو بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ حسرت نے

سرزمین شعر مین نئے نئے پودے لگائے ہین اور انکو خاص طور پر نشو و نما دی ہے، شعراے لکھنؤ نے
زبان و محاورہ کو جس قدر ترقی دی تھی اسکو عام طور پر لوگون نے اس منزل کی آخری حد قرار
دے لیا تھا، اور اس دائرے سے ایک قدم بھی آگے بڑھنا نہین چاہتے تھے لیکن درحقیقت
یہ اُردو شاعری کی تاریخ کا ایک افسوسناک واقعہ تھا،

فارسی شاعری نے حافظ و سعدی جیسے مسلم اساتذہ کی آغوش مین پرورش پائی تھی، لیکن عرفی
و فیضی کی جدت طرازیون نے اپنے آپ کو اس لکیر کا فقیر نہین بنایا، بلکہ سیکڑون جدید استعارے
جدید الفاظ، اور جدید ترکیبین پیدا کین، اُردو شاعری پر بھی حسرت کا یہ خاص احسان ہے کہ
اُسنے شاہراہ لکھنؤ سے الگ ہوکر بیسیون نئی ترکیبین پیدا کین جو شعر کو عموماً باوقار بنا دیتی ہین،

ع گویا کہ ہون اک آہ مسلسل کی صدا مین

ع برق لرزان ہے کوئی گرم تماشا کیا ہو

ع اک سحر ہے لرزان کہ تبسم ہے تمھارا

ع اک برق مضطرب ہے کہ اک سحر بے قرار

ع آنکھون کے تبسم نے سب کھولدیا پردہ

طرفہ عالم ہی ترے حسن کی بیداری کا — رنگ سونے مین چمکتا ہی طرحداری کا

لے یار ترا حسن شرابی

اُس عشوۂ نازنین کے جلوے — ہین دشمن عقل مصلحت کوش

پوشیدہ سکون یاس مین ہے — اک محشر اضطراب خاموش

تیری نزاکتون کی اے نازنین سراپا

تھا وہی عشق مین بشکل نیاز — ناز جو حسن فتنہ کار مین تھا

اب وہی میرے عشق مین ہر کمال — جو ترے حسن بیقرار مین تھا

کچھ عجب چیز ہے وہ حسن عفیف — جو کبھی فتنۂ نظر نہوا

نہ سمجھو ہمین حال پر اپنے راضی — کہ ہم چپ ہین آزادہ جانی کے باعث

تمھارے جور بے پروا کو بھی اکدن سنا ناہی

دلربائی کا اک نیا عالم — اُس نگاہ کرشمہ بار مین تھا

وہ بیخودی وہ خرمی بے خلل گئی

مرے اصرار مضطر مین نہان تھی میری مایوسی — ترے اقرار آسان سے ترا انکار پیدا ہے

تقاضا کر رہا ہے اب یہ حسن تازہ کار انکا

غزل گو شعرا کے مخاطب صرف دو ہوتے ہین، ایک معشوق اور دوسرا واعظ، لیکن انسے
جو بے تکلفانہ گفتگو ہوتی ہے وہ بعض اوقات فحاشی اور بیحیائی تک پہنچ جاتی ہے، حسرت کا
کلام یون بھی عموماً اس قسم کی بازاری باتون سے خالی ہے، لیکن یہ بات اس کو زیادہ تر اسلیے
حاصل ہوئی ہے کہ وہ صاف صاف معشوق اور واعظ کو مخاطب ہی نہین کرتا، بلکہ جدت طرازی
کی بنا پر زاہد و حسن سے خطاب کرتا ہے، اسلیے خطاب کی تصریح کا فطری انحصار خود بخود بدل جاتا ہے

صد افسوس اس زاہد خلوت نشین پر

بے کہے حسن سے کہہ جائینگے ہم شوق کی بات — کچھ یونہین خوب مطالب یہ ادا ہوتے ہین

ان اشعار مین بھی زاہد اور حسین ہی مراد ہین، لیکن یہ بالکل نہین معلوم ہوتا کہ زاہد پر چوٹ
اور معشوق سے خطاب ہے، حسرت کا یہ عام طرز ہے، اور اس کی مثالین اُس کے دیوان
مین بکثرت ملتی ہین،

زبان دہلی کے مقابل مین شعراے لکھنؤ کا طغراے امتیاز اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ انھون نے

زبان کو نہایت صاف، شستہ، اور روان کردیا، اور یہی وجہ ہے کہ تمام ہندوستان نے اِس رنگ کو نہایت آسانی سے قبول کرلیا، حسرت کا بال بال اگرچہ دہلی کے شکنجہ مین جکڑا ہوا ہے لیکن اُس کے یہان وہ اغلاق و ابہام نہین پایا جاتا جو دہلی کی خصوصیت سمجھا جاتا ہے، بلکہ وہ اس قدر برجستہ، صاف، اور روان کہتا ہے کہ شعراے لکھنؤ کے کلام مین بھی اُسکی نظیر بہ مشکل ملسکتی ہے، وہ خود کہتا ہے اور سچ کہتا ہے،

ہے زبان لکھنؤ مین رنگ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرت نام روشن شاعری کا ہوگیا

ع ڈرتا ہون مین اُن سے نہ ڈراؤنگا نہ ڈرائین

سفارش اُن سے کرے کون جان برغم کی — کہ یہ غریب ہے ناحق ستائی جاتی ہے
عرضِ کرم یہ ترک جفا بھی نہ کیجیے — ایسا نہ ہو کہ آپ ملا بھی نہ کیجیے
پھر کیجئے کس امید پہ ہم زندگی کرین — جب آپ التفات ذرا بھی نہ کیجیے
روبرو اُن کے کچھ نہین معلوم — کیا ہوا بیخودی مین کیا نہ ہوا
اب تو راہِ رضا حق مین ہے قدم — رکھدیا ہم نے ہرچہ بادا باد
وہ تو کردین مرا قصور معاف — مین ہی کہتا نہین حضور معاف
مٹین گے جو غم ہجر کی ایذا سے یہی — اک غم اک روز ترے عشق مین ہوناہی یہی
چل بھی دئے وہ چھین کے صبر و قرار دل — ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا
اِس درجہ غرور ناروا ہے — مانا کہ حضور خوب رو ہین
نہ سہی آپ جفا سے جو نہین باز آتے — جائیے جائیے اب ہمکو بھی پروا نہین
آرزو تیری برقرار رہے — دل کا کیا ہے رہا، رہا، نہ رہا

تیور | بعض اوقات شعر مین کوئی خاص بات نہین ہوتی، لیکن اُس کا طرز ادا اس قدر تیکھا ہوتا ہے کہ دل مین کھپ جاتا ہے، یہ طرز ادا عموماً لطف زبان کی بنا پر پیدا ہوتا ہے حسرت کے کلام مین چونکہ زبان کا چٹخارا بہت زیادہ ہے اِسلیے اس کا طرز ادا نہایت لطیف و شوخ ہوتا ہے، مثلاً معشوق نے نباہ کا وعدہ کرکے بیوفائی کی، عاشق کا سامنا ہوا تو اُسے شرم آتی ہے اور وہ گردن جھکا لیتا ہے، عاشق اور اس کو شرمندہ کرتا ہے اور کہتا ہے،

تھے اسی پر نباہ کے وعدے
سر تو اے شوخ بے حجاب اُٹھا

منزل مقصود قریب ہے، اور دل ہمت ہارا جاتا ہے، اب عاشق اس کو ہمت دلاتا ہے،

نزدیک بام یار سے ہے نردبان عشق
اے دل یہ جاے حوصلہ ہے دیکھتا ہے کیا؟

معشوق عاشق کا کُل سرمایہ چپکے سے اُڑا لیجاتا ہے، اور عاشق ہکا بکا ہوکر رہ جاتا ہے،

چل بھی دیے وہ چھین کے صبر و قرار دل
ہم سوچتے ہی رہ گئے یہ ماجرا ہے کیا؟

وصل کی رات ہے اور معشوق بے نقاب نہین ہوتا، عاشق کس لطف سے بے حجابی کی درخواست کرتا ہے،

حائل شب وصال ہے کیون پردۂ حجاب
اب اسکو درمیان سے رخصت نہ کیجیے،

متوازن فقرے | شعر مین جب متوازن فقرے جمع ہوجاتے ہین تو ان مین موسیقیت پیدا ہوجاتی ہے جو شاعری کا ایک نہایت لطیف جزو ہے، حسرت کے کلام مین سلاست زبان نے

اس قسم کے متوازن فقرون کا ایک انبار لگا دیا ہے،

رعنائی و زیبائی و محبوبی و خوبی

کیا بات ہے جو اُس قدِ دلجو مین نہین ہی

بیتاب نظر آیا، بدنام نظر آیا
عاشق جو نظر آیا، بدنام نظر آیا

چلے ہین اُنکی جانب کچھ نہین اسکی خبر ہمکو
کہ ہمنے پانون مستی مین کہان ڈالا کدھر رکھا

دیارِ عشق کیجانب چلے ہم بے خطر ہوکر
خیال آیا مصیبت کا، نہ آفت کا، نہ زحمت کا

عذرِ گناہ پر بھی اس درجہ کج ادائی
اللہ رے کم نگاہی، اللہ رے بیوفائی

حسینانِ جہان کو انکے آگے تیرے مین نہ چاہونگا
کوئی عیسی نفس کیون ہو کوئی یوسف لقا کیون ہے

رات پیرِ مغان کی محفل سے
جو اُٹھا مست اٹھا، خراب اُٹھا

ابھی ہمنے کہان ڈھونڈا ابھی ہمنے کہان پایا

کوئی سرخوش، کوئی مست، کوئی بیخبر آیا
میکشون کے بھی عجب رنگ ہین میخانے مین

گرفتارِ محبت ہون، اسیرِ دامِ محنت ہون
نہ ممنونِ تمنا ہون نہ مشتاقِ مسرت ہون،

رندون پہ یہ کیا ستم ہے ساقی
ساغر خالی ہین، پُر سبو ہین،

ہوجاؤ نثارِ حسرتِ عشق
اے دانش و اے قرار و اے ہوش

نہ کہیے گر تو کیا کہیے، اگر کہیے تو کیا کہئے،
اسیکو دوست کہیے، یار کہیے، آشنا کہیے،

جبین و چشم و لب مین تیرے اک گنجینۂ پنہان
صباحت کا، ملاحت کا، نطافت کا، لطافت کا

ترتیب الفاظ نظم مین اگرچہ وہ ترتیب الفاظ قائم نہین رہ سکتی جو نثر مین عموماً قائم رہتی ہے تاہم جب شعر نہایت برجستہ اور روان ہوتا ہے تو اُس مین کبھی کبھی یہ بات پیدا ہوجاتی ہی اور کلام کی روانی کا بھی وہ درجہ ہے جہان شعر کو نثر کرنا چاہین تو نہین کرسکتے، اکثر شعراء

کے کلام مین یہ بات اک آدھ شعرون مین پائی جاتی ہے مثلاً،

کچھ تو ہوتے بھی ہین وحشت مین جنون کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہین

دل نہین مانتا کہان جاؤن
ہاے مین کیا کرون کہان جاؤن

لیکن حسرت نے پوری پوری غزلین لکھ ڈالین ہین اور ہر جگہ ہر لفظ اپنی ٹھیک جگہ پر قائم ہی

عشق مین جان سے گزر جائین
اب بھی جی مین ہے کہ مر جائین

یہ ہمین ہین کہ قصرِ یار سے روز
بیخطر آکے بے خبر جائین

جامہ زیبی نہ پوچھیے اُن کی
جو بگڑنے مین بھی سنور جائین

ان کو مدِ نظر ہے جب پردا
اہلِ شوق اب کہیے کدھر جائین

شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے
جو تری یاد مین گزر جائین

گریہ شام سے تو کچھ نہ ہوا
ان تک اب نالہ سحر جائین

دوش تک بھی بلاے جان ہین بال
جانے کیا ہون جو تا کمر جائین

شعر دراصل ہین وہی حسرت
سنتے ہی دل مین جو اُتر جائین،

ردیف وقافیہ ردیف اگرچہ شعر کے لیے ضروری نہین ہے، تاہم غزل مین ردیف کا اس قدر التزام کیا گیا کہ وہ گویا غزل کا ایک لازمی جزء ہوگئی تھی، یہی وجہ ہے کہ اُردو مین بغیر ردیف کی غزلین بہت کم ملتی ہین، اِس مین شبہ نہین کہ بعض اوقات ردیف سے کلام مین نہایت لطف پیدا ہوجاتا ہے، مثلاً حسرت کی اس غزل کی تمام تر لذت ردیف ہی مین پنہان ہی،

مایوس کیون ہوتے تو دور اگر ہوتا
ہم کچھ نہ تجھے کہتے مجبور اگر ہوتا

تاریک نہ یون رہتی تقدیر سیہ مستی
شیشہ مئے گلگون سے پُرنور اگر ہوتا

پاس اور نہ تھا اپنے کچھ بڑھکے دل و جان سے　　　ہم وہ بھی فدا کرتے مقدور اگر ہوتا

ظاہر مین جفا کرتے باطن مین وفا ہوتی　　　سو ڈھب سے کرم ہوتا منظور اگر ہوتا

کچھ دادِ وفا حسرت ہمکو نہ ملی، ملتی

دنیا مین یہ افسانہ مشہور اگر ہوتا

لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ بعض اوقات اصل مفہوم ردیف کے خارزار مین الجھ کر رہ جاتا ہے، بالخصوص جب ردیف سخت ہوتی ہے تو مفہوم کا ادا کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے، اِس بنا پر جن شعرا نے صرف حسن ادا اور حسن تاثیر کو شعر کا اصلی کمال قرار دیا ہے انھون نے اس التزام مالا یلزم سے آزادی حاصل کر لی ہے، موجودہ شعرا مین مولانا حالی نے اس قسم کی متعدد غزلین لکھی ہین جس مین صرف قافیہ ہی قافیہ ہے، ردیف نہین، حسرت صرف شاعر ہی نہین بلکہ مصلح شاعری بھی ہے، اسلئے اُسنے بھی اس غیر ضروری پابندی کو ترک کر دیا ہے اور بکثرت غزلین اس قسم کی لکھی ہین جن مین ردیف کا وجود نہین پایا جاتا،

غم سے نہین ایک دل بھی آزاد　　　فریاد ز دستِ عشق فریاد

عاشق ہوے اور مر مٹے ہم　　　اپنی تو یہ مختصر ہے روداد

ہوگا کسے جان دینے مین عذر　　　ارشاد اور آپ کا پھر ارشاد

اُس چشم نے دلبری کے شیوے　　　سب سیکھ لیے بغیر استاد

رہنے لگی اُن کی یاد ہر دم　　　اب اور ہمین رہے گا کیا یاد

پردے مین ستم کے لطف حسرت

ہے اُس بُتِ حیلہ جو کا ایجاد

حسرت کے دیوان مین اِس قسم کی غزلین بکثرت ہین جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو

مفہوم ادا کیا گیا ہے اگر اس مین ردیف کی پابندی کیجاتی تو اس کا حسن غارت ہو جاتا، رعایت لفظی　رعایت لفظی شعراے لکھنؤ کے کلام کا زیور ہے، دہلی کی سادگی اس کی متحمل نہین ہو سکتی اس لیے حسرت کا کلام بھی اس سے خالی ہے، ہم صرف دو شعر اس رنگ مین نظر آئے،

استقامت نہ ہوئی شوق کو زنہار نصیب

جب تک اُس بت کے نہ زیرِ خمِ ابرو آیا

نہ چھوٹے گی اب دخترِ رز ہم سے ساقی

کرین گے عمل تیری راے زرین پر

(باقی آئندہ)

اخبار وسیر

داعی یثرب

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

از حاجی معین الدین ندوی رفیق دار المصنفین

صحابہ کرام مین بڑے بڑے ارباب فضائل، اور بڑی بڑی خوبیون کے بزرگ گذرے ہین، حضرت خالد **سیف اللہ** تھے، حضرت علی **اسد اللہ** تھے، حضرت ابن عباس **حبر الامہ** تھے، حضرت ابوذر **مسیح الاسلام** تھے، حضرت ابو عبیدہ **امین الملہ** تھے، لیکن جن بزرگ کا نام مین نے سر عنوان پر لکھا ہے، اُنکے محاسن کا سر عنوان صرف ایک ہی یعنی یہ کہ وہ یثرب کے معلم اول تھے،

سنہ ۱۲ نبوی مین سرزمین یثرب کے صرف ۱۲ آدمیون نے حضرت داعی اسلام علیہ السلام کے ہات پر بیعت کی، اسکے ایک سال بعد یہ تعداد بہتر تک پہنچ گئی، اور چند مہینے کے بعد جب آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو شہر یثرب کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو پرتو اسلام سے منور نہ ہو، یہ حیرت انگیز انقلاب صرف ایک تربیت یافتہ نبوت کی کوششون کا نتیجہ تھا، انکا نام **مصعب**، کنیت ابو محمد، باپ کا نام عُمیر، ہاشم کے پوتے اور عبد مناف کے پرپوتے تھے، مکہ وطن تھا، نہایت حسین وخوشرو، اور ماں باپ کے بہت لاڈلے تھے، خدا نے گھر مین دولت بھی دی تھی، دونون نے لخت جگر کو آغوش محبت مین نہایت ناز ونعمت سے پالا تھا، عمدہ سے عمدہ پوشاک اور لطیف سے لطیف خوشبو جو اس زمانہ مین میسر آسکتی تھی، وہ اُنکے لئے مہیا ہوتا تھا، ناز ونعمت سے پل کر بچہ نے جب شباب کی منزل مین قدم رکھا، آوازۂ اسلام کان مین آیا، خدائے پاک نے حُسن ظاہری

سلامت ذوق، اور طبع لطیف کے ساتھ انکے آئینۂ دل کو بھی نہایت شفاف بنایا تھا، صرف ایک عکس کی دیر تھی کہ لیلائے حقیقت کے خط وخال نے فریفتہ کرلیا، اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوکر شیدائیان اسلام مین داخل ہوگئے[1]،

یہ وہ زمانہ تھا کہ آنحضرت صلعم ارقم بن ابی ارقم کے مکان مین پناہ گزین تھے، اور فدا کاران اسلام کے لئے مکہ کی سرزمین مصیبتون کا آسمان بن رہی تھی، اس بنا پر حضرت **مصعب** نے ایک عرصہ تک اپنے نئے عقیدہ کو مخفی رکھا، چھپ چھپ کر بارگاہ نبوت مین حاضر ہوتے، اور جمال مبارک سے آنکھین ٹھنڈی کرتے، ایک روز اتفاقاً عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا، انکی ماں اور اہل خاندان کو خبر کردی، اس کفرستان مین اسوقت معبود حقیقی کے آگے سرنیاز خم کرنا کوئی خفیف جرم نہ تھا، والدین نے سُنا تو تمام مادرانہ محبت اور پدرانہ شفقت دفعۃً غیظ وغضب اور بغض وانتقام سے مبدل ہوگئی، اور بالآخر اپنے لاڈلے اور ناز پروردہ فرزند کیلئے قید تنہائی کی سزا پسند آئی[2]، اسلام کے شیدا نے یہ گوارا کیا، لیکن ایک کو دو نہ کہا،

مزاج قدرتاً لطافت پسند تھا، حضرت مصعب اسلام قبول کرنے سے پہلے عمدہ سے عمدہ پوشاک، اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے، حضرمی جوتا جو اس زمانہ مین صرف امراء کیلئے مخصوص تہا وہ اُنکے روزمرہ کام مین آتا، غرض اُنکے وقت کا اکثر حصہ آرائش وزیبائش اور زلف مشکین کے سنوارنے مین بسر ہوتا تھا، لیکن جب اسلام لائے تو شراب توحید نے کچھ ایسا مست کردیا کہ تمام تکلفات بھول گئے، ایک روز دربار نبوت مین اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تہا، جس مین جا بجا سے پیوند لگے ہوئے تھے، صحابہ کرام نے دیکھا تو سب نے عبرت سے گردنین جھکالین، آنحضرت صلعم نے

[1] اسد الغابہ تذکرہ مصعب بن عمیر، [2] ایضاً،

فرمایا[۱] الحمد للہ اب دنیا اور تمام اہل دنیا کی حالت بدل جانا چاہیئے، یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ مین کوئی ناز پروردہ نہ تھا، لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا اور رسول کی محبت نے اسکو تمام چیزون سے بے نیاز کردیا[۱]،

ہجرتِ حبش حضرت مصعب ایک عرصہ تک قید کے مصائب سے تنگ آکر بالآخر ترک وطن پر آمادہ ہوئے، اور متلاشیان امن وسکون کے ساتھ سرزمین حبش کی راہ لی، اس ناز پروردہ نوجوان کو اب نہ تو نرم ونازک کپڑون کی حاجت تھی، نہ نشاط افزا عطریات کا شوق اور نہ دنیاوی عیش و تنعم کی فکر، جلوۂ توحید کے صرف ایک نظارہ نے تمام فانی ساز وسامان سے بے نیاز کردیا، ایک مدت کے بعد حبش سے پھر مکہ واپس آئے تو خود انکی مان کو اپنے نور نظر کی اس پریشان حالی پر رحم آگیا، اور گذشتہ مظالم کے اعادہ سے باز آگئی[۲]،

تعلیم دین وتبلیغ اسلام اس اثناء مین خورشید اسلام کی ضیا افگن شعاعین کوہ فاران کی چوٹیون سے گذر کر وادی یثرب تک پہنچ چکی تھین، اور مدینہ منورہ کے بارہ معززین نے موسم حج مین داعی توحید کو لبیک کہا تھا، چونکہ رسم بیعت ایک گھاٹی کے اندر ادا ہوئی تھی، اسلئے تاریخ اسلام مین یہ واقعہ بیعت عقبۂ اولی کے نام سے مشہور ہے،

مدینہ کی اس نو مسلم جماعت نے دربار نبوت مین درخواست بھیجی کہ انکی تعلیم وتلقین، اور گمراہان یثرب کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کسی معلم دین وہادی باخبر کا تقرر فرمایا جائے، حضرت سرور کائنات صلعم کی نگاہ جوہر شناس نے اس خدمت کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب کیا، اور چند اسرار ونکات کی تعلیم کے بعد مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا[۳]، اسوقت تک تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام مہبطِ وحی والہام علیہ السّلام کے سوا اور کسی نے انجام نہین دیا تھا، یہ

[۱] طبقات ابن سعد قسم اول جلد ۳ صفحہ ۸۶، [۲] اصابہ جلد ۳ صفحہ ۴۰۲ [۳] بخاری

پہلا موقع ہے کہ فیض یافتگانِ نبوت مین سے ایک کو نیابت کا شرف عطا کیا جا رہا ہے، مصعب اب مصعب نہ تھے، وہ نائب رسول تھے، وہ اسلام کے سب سے پہلے داعی بنکر سرزمین یثرب کو سدھارتے ہین، آؤ دیکھین کہ وہ اس نیابت کا فرض کس طرح انجام دیتے ہین، اس سرزمین مین جو موسیٰ کی شریعت کا مرکز اور بنی اسرائیل کی حکومت کا تختگاہ ہے، لوائے محمدی کسطرح بلند اور آسمان کی ایک نئی بادشاہی کا کس طرح اعلان کرتے ہین،

حضرت مصعب مدینہ پہنچکر حضرت اسعد بن زرارہ کے گھر جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، فروکش ہوئے، یہ خیال فضول تھا کہ تمام اہل یثرب استماع حق کے لئے کسی مجمع مین خود جمع ہو سکینگے، حضرت مصعب نے پُردرد اور اثر پذیر قبول کی گھر گھر تلاش شروع کی، دعوت وتبلیغ کیلئے اُنھون نے پُر زور دلائل کا انتخاب نہین کیا، توحید کی سچائی پر اُنھون نے فلسفیانہ براہین کی جستجو نہ کی، قرآن کی حقانیت پر اُسکی بینظیر فصاحت وبلاغت کا دعوی نہین کیا، رسالت کی تصدیق کیلئے اُنھون نے پیغمبر کے معجزات نہین گنائے، صرف ایک ہی چیز انکے پاس تھی، قرآن حکیم کی چند سورتین، جو اسوقت نازل ہو چکی تھین، یہان جاتے پڑھکر سناتے، یہی انکے دلائل کا ذخیرہ، فلسفیانہ براہین کا سرمایہ، اور محیر العقول معجزات کا خزینہ تھا، مخالفت کے مادہای فاسد پہاڑ بنکر سامنے آئے، لیکن اُنکی تاثیر سے چند منٹ مین ذرات بنکر اُڑ جاتے ہین،

اس طرح جب یثرب مین اسلام نے گھر کرلیا تو تلاوت قرآن اور تبلیغ کیلئے حضرت اسعد کے مکان پر اور کبھی بنی ظفر کے محلہ مین لوگون کو جمع کرتے، ایک روز وہ حسب معمول بنی ظفر کے محلہ مین چند مسلمانون کو قرآن کی تعلیم دے رہے تھے کہ قبیلہ عبد الاشہل کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے رفیق اسید بن حضیر سے جو قبیلہ کے سردار اور معزز تھے کہا "اس اسلام کے واعظ کو جو یہان آکر ہمارے ضعیف الاعتقاد عزیزون کو گمراہ کرتا ہے اپنے محلہ سے نکال دو، اگر اسعد سے

مجھکو رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو مین تم کو اسکی تکلیف ندیتا، یہ سن کر اسید نے نیزہ اٹھایا اور حضرت مصعب اور حضرت اسعد کے پاس آکر خشم آلود لہجہ مین کہا "تمہین یہان کس نے بلایا ہے کہ بیوقوفون کو گمراہ کرو؟ اگر تمکو اپنی جانین عزیز ہین تو بہتر ہے کہ ابھی یہان سے چلے جاؤ" حضرت مصعب نے اس آگ کو آگ سے نہین روکا، اُنھون نے اسپر پانی کے چھینٹے دیئے، اور نرمی کے ساتھ کہا "اسید! تم پہلے بیٹھ کر ہماری باتین سنو، اگر پسند آئے قبول کرو، ورنہ ہم خود چلے جائینگے" اسید نے کہا "ہان یہ سچ ہے، کہو کیا کہتے ہو" یہ کہکر اپنا نیزہ زمین مین گاڑ کر بیٹھ گئے، حضرت مصعب نے حسب دستور قرآن مجید کی چند آیتین پڑھکر سنائین، سنناتھا کہ پتھر کا دل موم تہا، بیتاب ہو کر بولے، کیسا اچھا مذہب ہے؟ کیسی بہتر ہدایت ہے! مجھے جلد بتاؤ کہ اس مذہب مین داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟

حضرت مصعب نے کہا، پہلے نہادھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنو، پھر صدق دل سے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرو، اُنھون نے فوراً اس ہدایت کی تعمیل کی، اسلام زندگی کا سرچشمہ ہے، ابھی حضرت اسید کے اسلام کو چند منٹ بھی نگذرے تھے کہ فرض تبلیغ کا احساس خود اُنکے دل مین بھی پیدا ہوا، بولے، میرے بعد ایک اور شخص ہے جسکو راہ راست پر لانا ہوگا، اگر وہ اس دائرہ مین داخل ہوگیا تو تمام قبیلہ عبدالاشہل اُسکی پیروی کریگا مین ابھی اُسکو آپ کے پاس بھیجتا ہون،

حضرت اسید اب بزم احباب مین واپس آئے، تمام مجمع نے دیکھا کہ غیظ وغضب کی جگہ چہرہ پر عشق ومحبت کا نور تابان ہے، سعد بن معاذ نے دور ہی سے دیکھکر کہا "خدا کی قسم اس شخص کی حالت مین ضرور کچھ انقلاب ہوگیا ہے، اور جب قریب آئے تو پوچھا کہو! کیا کر آئے؟ حضرت اسید نے جواب دیا خدا کی قسم وہ دونون ذرا بھی خوفزدہ نہوے، مین نے

انکو منع کیا تو بولے کہ ہم وہی کرینگے جو تم پسند کروگے، لیکن مین نے سنا ہی کہ بنی حارثہ تمہارے خالہ زاد اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہین تاکہ اس طرح تمہاری تذلیل ہو،

چونکہ بنی حارثہ اور عبدالاشہل مین دیرینہ عداوت تھی، اسلئے حضرت اُسید کا افسون کارگر ہوگیا، سعد بن معاذ جوش غضب سے اُٹھ کھڑے ہوے، اور تخالف مذہبی کے باوجود اسعد کی مدد کے لئے روانہ ہوگئے، لیکن یہان بالکل امن وسکون تھا، سمجھ گئے کہ اسید نے ان دونون سے بالمشافہ گفتگو کرنیکے لئے ایک موقع پیدا کیا، نسبی ترحم فوراً مذہبی تعصب سے بدل گیا، اور خشمگین لہجہ مین بولے، ابوامامہ! خدا کی قسم اگر رشتہ داری کا پاس نہوتا تو مین تمہارے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا، تمہین کیونکر ہمارے محلہ مین ایسے عقائد پھیلانے کی ہمت ہوئی، جسکو ہم سخت ناپسند کرتے ہین؟

حضرت مصعب پھر آگے بڑھے، اور کانون مین وہ افسون پھونکا جو بارہا تجربہ سے کامیاب ہوچکا تھا، سننے کے ساتھ حضرت سعد محو اسلام تھے، اُسیوقت اسلام کے حلقہ بگوشون مین داخل ہوئے، اسلام نے پھر اپنا کام کیا، اور وہی تبلیغ کا نشہ اب اُنکے سر مین بھی تھا، جوش اور ولولہ سے لبریز اپنے قبیلہ مین آئے اور سوال کیا "اے بنی عبدالاشہل! بتاؤ مین تمہارا کون ہون؟ سب نے بیک آواز کہا "تم ہمارے سردار اور ہم سب سے زیادہ عاقل اور عالی نسب ہو" بولے، خدا کی قسم تمہارے مردون اور تمہاری عورتون سے گفتگو کرنا مجھپر حرام ہے، جب تک تم خدا اور اسکے رسول پر ایمان نہ لاؤ" یہ الفاظ ابھی ہوا مین گونج رہے تھے کہ عبدالاشہل کا تمام قبیلہ دائرۂ اسلام مین داخل تھا،

حضرت مصعب ایک عرصہ تک حضرت اسعد بن زرارہ کے مہمان رہے، لیکن جب بنی نجار نے اُن پر "تشدد" شروع کیا، ہان وہ بنی نجار جو چند ہی روز کے بعد اسلام کے

دست و بازو، اور خیر مقدم رسول کے لیے سب سے زیادہ بیتاب تھے، تو حضرت سعد بن معاذ کے مکان پر اُٹھ آے اور یہین سے خورشید اسلام کی آمد آمد کا مژدہ سناتے رہے، یہانتک کہ حطمہ، وائل، اور واقف کے چند گھرون کے سوا عوالی اور مدینہ کے تمام گھر اس نور سے روشن ہوگئے،[۱]

مدینہ مین جمعہ قائم کرنا

یثرب مین مسلمانون کی ایک معتدبہ جماعت پیدا ہوگئی، اور اب دوسرا فرض بھی عاید ہوگیا، حضرت مصعب نے دربار نبوت سے اجازت حاصل کرکے حضرت سعد بن خیثمہ کے مکان مین جماعت کے ساتھ نماز **جمعہ** کی بنیاد ڈالی، پہلے کھڑے ہوکر ایک نہایت موثر خطبہ دیا، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھائی، نماز کے بعد حاضرین کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی، اس طرح وہ شعار اسلامی جو عبادت الٰہی کے علاوہ ہفتہ مین ایک دفعہ برادران اسلام کو باہم بغلگیر ہونے کا موقع دیتا ہے، خاص حضرت مصعب بن عمیر کی تحریک سے یثرب مین قائم ہوگیا،[۲]

یثرب مدینۃ النبی بنتا ہے

مکہ کی سرزمین جس ودیعت کے بارِ گران اُٹھانے سے ۱۲ برس تک عاجز رہی، یثرب کی ارض مقدس نے ایک سال مین اُسکو اُٹھا لیا، اسلام امن و امان کے ایک آشیانہ کا جویان تھا جو ابراہیم خلیل کے معبد مین میسر نہ آیا، خداوند ذوالجلال نے اسکے لیے یثرب کی خاک کو تاکا، آنحضرت صلعم کے رویاے صادقہ نے گو ایسے مرکز کی بشارت دی تھی جو نخلہاے گران بار سے محیط ہے،[۳] تاہم اس خواب کی تعبیر حضرت مصعب کے دست سعی مین پنہان تھی، انہون نے صرف ایک برس کی کوشش مین اسلام کے لیے مرکز تیار کردیا جس نے یکایک تاریخ اسلام مین انقلاب عظیم برپا کردیا، اور اب یثرب یثرب

[۱] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ و خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۹۰ [۲] طبقات ابن سعد ق ۱ جلد ۳ صفحہ ۸۳ [۳] بخاری،

نہین مدینۃ النبی بن رہا ہے،

عقبہ کی بیعت ثانیہ

پہلے گذر چکا ہے، کہ عقبہ کی اولی مین صرف بارہ انصار شریک تھے لیکن حضرت مصعب نے اپنے قلیل زمانہ تبلیغ مین تمام اہل یثرب کو اسلام کا فدائی بنا دیا، چنانچہ دوسرے سال موسم حج مین ۷۳ اکابر و اعیان کی پرعظمت جماعت اپنی قوم کی طرف سے تجدید بیعت اور شاہ امم کو مدینہ مین مدعو کرنیکے لئے روانہ ہوئی، اُسکے رہبر حضرت مصعب بن عمیر بھی ساتھ تھے، اُنھون نے مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضوری مین حاضر ہوکر اپنی حیرت انگیز کامیابی کی مفصل داستان عرض کی، حضور نے نہایت شوق کے ساتھ تمام واقعات سُنے، اور انکی محنت اور جانفشانی پر غیر معمولی مسرت ظاہر فرمائی،

عدیم النظیر استقامت

حضرت مصعب کی ماں نے بیٹے کے آنے کی خبر سُنی تو کہلا بھیجا "اے نافرمان فرزند! کیا تو ایسے شہر مین آئیگا جسمین تیری ماں موجود ہو، اور تو پہلے اُس سے ملنے نہ آئے" انھون نے جواب دیا کہ "مین رسول خدا صلعم سے پہلے کسی سے ملنے نہین جاؤنگا"

وہ جب رسول اللہ صلعم سے شرف ملازمت حاصل کر چکے تو اپنی ماں کے پاس آئے جسنے کہا "مین سمجھتی ہون کہ تو اب تک ہمارے مذہب سے برگشتہ ہے" بولے "مین رسول اللہ صلعم کے دین برحق اور اُس اسلام کا پیرو ہون جسکو خدا نے خود اپنے لیے اور اپنے رسول کے لیے پسند کیا ہے" ماں نے کہا "کیا تم اُس مصیبت کو بھول گئے جو تمکو ایک دفعہ سرزمین حبش مین برداشت کرنی پڑی، اور اب یثرب مین سہنا پڑتی ہے؟ افسوس دونون دفعہ تمنے میری غمخواری کا کچھ شکریہ ادا نہ کیا" حضرت مصعب سمجھ گئے کہ شاید پھر مجھکو قید کرنے کی فکر مین ہے، چلا کر بولے کہ، تم جبراً کسی کو اُس کے مذہب سے پھیر سکتی ہو؟ اگر تمہارا منشا ہے کہ پھر مجھکو قید کرو تو پہلا شخص جو میری

[۵] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۳،

طرف بڑہے گا اس کو یقیناً قتل کرڈالونگا" مان نے یہ تیور دیکھے تو کہا "بس تو میرے سامنے سے چلاجا" اور یہ کہکر رونے لگی، حضرت مصعب اِس کیفیت سے متاثر ہوئے اور کہنے لگے "اے میری مان! مین تمھین خیر خواہی اور محبت سے مشورہ دیتا ہون کہ تم گواہی دو کہ خدا ایک ہے اور محمد صلعم اُس کے بندہ اور رسول برحق ہین" اُسنے کہا "چمکتے ہوئے تارون کی قسم مین اِس مذہب مین داخل ہوکر اپنے آپ کو احمق نہ بناؤنگی، جا، مین تجھ سے اور تیری باتون سے باز آتی ہون اور اپنے مذہب سے وابستہ رہونگی[1]"

مستقل ہجرت حضرت مصعب نے مکہ آنے کے بعد ذی الحجہ، محرم، اور صفر کے مہینے آنحضرت صلعم ہی کی خدمت مین بسر کئے، اور پہلی ربیع الاول کو سرورِ کائنات صلعم سے بارہ دن پہلے مستقل طور پر ہجرت کرکے مدینہ کی راہ لی[2]، ۱۲ روز کے بعد مرکز اسلام مکہ سے یثرب کو منتقل ہوگیا، اور اب یثرب کا نام **مدینۃ النبی** تھا،

غزوات اِس مرکز نے جب رفتہ رفتہ تمام فرزندان توحید کو ایک نقطہ پر جمع کردیا اور نونہال اسلام مدینہ کی آزاد آب وہوا مین حیرت انگیز نشو ونما پانے لگا تو مشرکین قریش جواب تک اِس پودے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، بزور اُسکی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے، چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی برس سے حق وباطل مین خونریز معرکون کا سلسلہ شروع ہوگیا، حضرت مصعب بن عمیر میدان فصاحت کی طرح عرصہ وغا مین بھی نمایان رہے، غزوہ بدر مین جماعت مہاجرین کا سب سے بڑا علم اُنکے ہاتھ مین تھا، غزوہ اُحد مین بھی علمبرداری کا منصب شرف انھین کو نصیب ہوا[3]،

شہادت اِس جنگ (یعنی احد مین) ایک اتفاقی غلطی نے جب فتح وشکست کا پانسہ پلٹ دیا اور فاتح مسلمان ناگہانی طور سے مغلوب ہوکر تتربتر ہوگئے تو اس وقت بھی یہ علمبردار اسلام یکہ و تنہا

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۳، [2] ایضاً ص ۸۴، [3] ایضاً،

مشرکین کے نرغہ مین ثابت قدم رہا، کیونکہ لوائے توحید کو پیچھے کیطرف جنبش دینا اِس فدائے ملت کے لیے سخت عار تھا، غرض اِسی حالت مین مشرکین کے شہسوار ابن قمیہ نے بڑھکر تلوار کا وار کیا جس سے داہنا ہاتھ شہید ہوگیا، لیکن بائین ہاتھ نے فوراً قائم مقامی کی، اُسوقت انکی زبان پر یہ آیت جاری تھی،

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل — محمد ایک رسول ہین انسے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہین،

ابن قمیہ نے دوسرا وار کیا تو بایان ہاتھ بھی قلم تھا، لیکن اِس دفعہ دونون خون آلود بازوؤن نے حلقہ کرکے علم کو سینہ سے چپٹا دیا، اُسنے جھنجھلا کر تلوار پھینکدی، اور اِس زور سے نیزہ تاک کر مارا کہ انی ٹوٹ کر سینہ مین رہ گئی، اور اسلام کا سچا فدائی اُسی آیت کا اعادہ کرتے ہوئے فرش خاک پر دائمی راحت کی نیند سو رہا، لیکن اسلامی پھریرا سرنگون ہونے کے لیے نہین آیا تھا، اُنکے بھائی ابوالروم بن عمیر نے بڑھکر اس کو سنبھالا، اور آخر وقت تک شجاعانہ مدافعت کرتے رہے[1]

رسول کی تعزیت اختتام جنگ کے بعد آنحضرت صلعم حضرت مصعب بن عمیر کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی،

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ — مومنین مین سے چند آدمی ایسے ہین جنھون نے خدا سے جو کچھ عہد کیا تھا اُسکو سچا کردکھایا،

پھر لاش سے مخاطب ہوکر فرمایا "مین نے تجکو مکہ مین دیکھا تھا جہان تجھسا حسین وخوش پوشاک کوئی نہ تھا، لیکن آج دیکھتا ہون کہ تیرے بال اُلجھے ہین اور جسم پر صرف ایک چادر ہے" پھر ارشاد ہوا "بیشک خدا کا رسول گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی مین حاضر رہوگے" اس کے بعد غازیان دین کو حکم ہوا کہ کشتگانِ راہِ خدا کی آخری زیارت کرکے سلام

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۸۴،

بھیجین، اور فرمایا "قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ مین میری جان ہے کہ روز قیامت تک جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا وہ اس کا جواب دین گے[1]"

تجہیز وتکفین اُس زمانہ مین غربت وافلاس کا یہ حال تھا کہ شہیدان ملت کو کفن تک نصیب نہوا، آہ! حضرت مصعب بن عمیر جنکا جسم نورانی کبھی دیبا وحریر کا عادی تھا وہ اسطرح رخصت ہوتے ہین کہ صرف ایک خوناب چادر انکے لیے دنیا کا آخری تحفہ ہے اور وہ بھی اس قدر مختصر کہ جس سے سر چھپایا جاتا ہے تو پاؤن کھلجاتے ہین اور پاؤن چھپائے جاتے ہین تو سر کھلجاتا ہے، بالآخر حضرت خیر الانام کے ایماء سے پاؤن پر اذخر کی گھانس ڈالی جاتی ہے[2]، اور اُنکے بھائی حضرت ابو الروم بن عمیر، حضرت عامر بن ربیعہ، اور حضرت سویبط بن سعد کی مدد سے اس پیکر قدس کو سپرد خاک فرماتے ہین[3]، انا للہ وانا الیہ راجعون،

تصویر عبرت جن آنکھون نے عسرت وناداری کا یہ دردناک نظارہ دیکھا تھا وہ عہد تمول وفراغ حالی مین بھی اس تصویر عبرت کو یاد کرکے اشک حسرت سے لبریز ہوجاتی تھین، خلافت راشدہ کی فاتحانہ لڑائیون نے گو قیصر وکسرے کے خزانے فرزندان توحید کے قبضہ مین تھے، اور روم وایران کے زر وجواہر ریگستان عرب کے خزف ریزے تھے، تاہم جن ہاتھون نے شہداے ملت کو گھانس کا کفن دیا تھا وہ ان زخارف دنیاوی کو مس کرکے کانپ اُٹھتے تھے، حضرت عبد الرحمن بن عوف ایک متمول صحابی تھے انکا تجارتی قافلہ جب مدینہ مین داخل ہوتا تھا تو تمام شہر مین غلغلہ برپا ہوجاتا تھا[4]، لیکن آغاز اسلام کی عسرت وتنگ حالی نے مرقع عبرت بنکر انکو کبھی اس دولت بے پایان سے لطف اندوز ہونے نہ دیا، وہ ایک دفعہ روزہ سے تھے، شام کے وقت کھانا سامنے

[1] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۸۴، [2] بخاری باب ہجرت النبی وصحابہ الی المدینہ [3] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۸۴، [4] اسد الغابہ تذکرہ عبد الرحمن بن عوف،

آیا تو بے اختیار عسرت ماضیہ کی یاد تازہ ہوگئی، بولے "مصعب بن عمیر مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے تو کفن مین صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤن برہنہ ہوجاتے اور پاؤن چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا، حمزہ بھی اسی طرح شہید ہوئے، جو مجھ سے اچھے تھے، لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہوگئی ہے اور ہمین ایسی ایسی نعمتین مرحمت فرمائی گئی ہین، ہمکو ڈر ہے کہ شاید ہماری نیکیون کے معاوضہ مین عجلت کی گئی"، اس کے بعد اس قدر رقت طاری ہوئی کہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا[1]،

---

[1] بخاری باب غزوۂ احد،

ادبیات

قدیم اساتذۂ اُردو مین جدید شاعری کا عنصر

۳

کہ کرد قطعِ تعلق، کدام شد آزاد؟

شیخ ابراہیم ذوق

کل ایک تارکِ دنیا سے پوچھا یہ شیخ ذوق — کہ تو اُکھڑ کے اِدھر سے اُدھر ہوا پیوست
گذرتی ہوگی بہ آرام، زندگی تیری — کہ تجکو اب نہ غمِ نیست ہے نہ شادیٔ ہست
کہا یہ اُسنے "کہ قیدِ حیات مین انسان — کبھی نہ ہوگا دل آسودہ، گر ہو ستِ الست
اُٹھائے ہاتھ جہان سے ولیک کیا امکان — کہ با فراغ کرے، کنجِ عافیت مین نشست
چھٹا جو کوئی گرفتاریون سے دنیا کے — تو سلسلہ مین فقیری کے پھر ہوا پابست
رہا وہ خدمتِ مرشد کی قید مین برسون — کہ حق پرست ہو وہ پہلے جو ہو پیر پرست
گر ایک عمر مین پہنچا مقامِ اعلےٰ پر — کہا یہ شوق نے ہو ہمتِ بلند، نہ پست
جو دستگاہ تصرف مین بھی ہوئی اُس کو — تو یہ ارادہ ہوا، اور بھی ہو بالا دست
ہمیشہ جنگ رہی بعد صلح کل کے بھی — کہ نفس دشمنِ سرکش ہے، دیکھیے اسکو شکست
جو ہوشیار رہے تو ہے وہ شرع کا پابند — پھنسا ہوا ہے وہ کیفیتون مین گر ہے مست
نہین ہے دام علائق سے مطلق آزادی — مجال کیا کہ نکل جائے کوئی کر کے جست

کہ کرد قطع تعلق، کدام شد آزاد
بریدۂ زہمہ، با خدا گرفتار است

نیرنگیٔ عالم

اسد اللہ خان غالب

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمھین ہوسِ نائے و نوش ہی
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہی
ساقی بجلوہ، دشمنِ ایمان و آگہی — مطرب بنغمہ، رہزنِ تمکین و ہوش ہی
یا شبکو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہی
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہی
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم مین — نے وہ سرور و سوز، نہ جوش و خروش ہی

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہی

غزل بنظیر

بنظیر شاہ مرید جناب حاجی وارث علی صاحب، ایک نغز گو شاعر ہین، حیدرآباد مین مولوی عزیز مرزا مرحوم کے ساتھ بھی تھے، صوفیانہ رنگ ہمیل درد ان شاعری کے اندر ان کا مخصوص حصہ ہے،

اِدھر ڈھونڈتی ہے اُدھر ڈھونڈتی ہی — کسے ہر طرف چشمِ تر ڈھونڈتی ہے
وہ پردہ نشین ہین سمجھتے ہین لیکن — کسی کو کسی کی نظر ڈھونڈتی ہے
ستم کش ہو کوئی مگر اُن کی چتون — ہر اقلب میرا جگر ڈھونڈتی ہے

طلب میری جو یان ہی تیرے کرم کی — یہ بیکس رفیق سفر ڈھونڈتی ہے
شفا کیا ہو مجھکو کہ اب فکرِ درمان — علاجِ دلِ چارہ گر ڈھونڈتی ہے
پسیجا نہ دل اب تک اُس سنگدل کا — دعا عرش پر کیا اثر ڈھونڈتی ہے
نہین بے سبب مضطرب آہ میری — یہ بے گھر ترے دل مین گھر ڈھونڈتی ہے
یہ خود گم ہوے، ہم رہے جستجو مین — ہمین کو ہماری خبر ڈھونڈتی ہے
کئی بار آئی گئی صبحِ محشر — شبِ ہجر اب تک سحر ڈھونڈتی ہے
مجھے در بدر کیون پھراتی ہے وحشت — اسی گھر کو ڈھونڈے اگر ڈھونڈتی ہے
یہ کہتی ہے شوقِ تماشا سے حیرت — نظر مین ہے جسکو نظر ڈھونڈتی ہے
مسیحِ زمان بھی ہو کوئی تو کیا ہے — محبت تو دردِ جگر ڈھونڈتی ہے
تصور مین انکے ہے بند آنکھ میری — نہین ڈھونڈتی ہے مگر ڈھونڈتی ہے
بگولون مین چھپتا ہون وحشت کو دیکھو — یہ کمبخت غربت مین گھر ڈھونڈتی ہے
نہ معلوم لیلی پر کیا شب مین گزری — جو مجنون کو بادِ سحر ڈھونڈتی ہے
وہ ملتا ہے خود بے طلب دم کے دم مین — خدائی جسے عمر بھر ڈھونڈتی ہے
اڑا لیگئی خود تڑپ تیری بلبل — قفس مین کہان بال و پر ڈھونڈتی ہے
دعا کرتے کرتے ہون لب خشک تو کیا — نگاہِ کرم چشمِ تر ڈھونڈتی ہے
وطن کا پتہ بھی نہین اور عبرت — خطون کو لیے نامہ بر ڈھونڈتی ہے
خزان مین پڑی اُوس پھولون پہ ایسی — کہ شبنم کی چادر سحر ڈھونڈتی ہے
ہوس کو مبارک رہے دیر و کعبہ — محبت تری رہگذر ڈھونڈتی ہے
وہ ہی بیظیر اپنے ہی دل کے اندر — تمنّا جسے در بدر ڈھونڈتی ہے

مجلد اوّل | ماہ جمادی الاخرہ سنہ ۱۳۳۵ھ مطابق اپریل سنہ ۱۹۱۷ء | عدد دہم

مضامین